

میرا دل بھی
پہنچے میرے

www.islamiurdubook.blogspot.com

www.islamiurdubook.blogspot.com

خواجہ شمس الدین عظیمی

انتاب

اُن شادابِ دل دوستوں کے نام جو مخلوق
کی خدمت کے فیعلے انسانیت کی معراج
حاصل کرنا چاہتے ہیں

اور

اُن سائنس دانوں کے نام جو سن دو ہزار چھ
عیسوی کے بعدین کی مانگ میں سینند
بھریں گے

امان اللہ بچائی لائبریری
لیٹ نمبر 4-5-6 ہلائی
D ماؤسنگ سمپلہ کس بورڈ
قاسم اتھارٹی کراچی 7806

مکتبہ

جملہ حقوق محفوظ

ناشر - مکتبہ رحمانی ڈابھٹ
۱- کسے - ۱۳۰ ناظم آباد
پوسٹ بکس ۲۲۱۳ - کراچی
مطبوعہ - عظیمی پرنٹرز ناظم آباد
کراچی ۱۸ - فون ۶۲۴۳۲۳
پریم (۲۰) برو سپر

۱۶۱	اوقاتِ مشق	۱۲۳	کیفیات و واردات سبق ۱
۱۶۱	سائنس لینے کی تعداد	۱۲۵	دروازہ کھلا
۱۶۱	نقطہ پینی	۱۲۶	آخری تالاب
۱۶۱	ضروری تالیف	۱۲۷	دانا کچ بچش کا فرار
۱۶۲	چھٹے سبق کے دوران تہ بڑھانی کی کیفیت	۱۲۸	آگ کی پست
۱۶۲	یٹلی پیٹی کا سوال سبق	۱۳۰	باطنی آنکھ
۱۶۴	سائنس کی مشق	۱۳۳	تصویر کی صحیح تعریف
۱۶۴	اوقاتِ مشق	۱۳۷	یٹلی پیٹی کا چوتھا سبق
۱۶۶	سائنس لینے کی تعداد	۱۳۹	۱۲۶ عناصر
۱۶۹	یٹلی پیٹی کے ذریعے صرفت کا لفظ	۱۴۲	انٹینا (ANTENNA)
۱۷۰	مٹا ہوا	۱۴۵	کیفیات و واردات سبق ۱
۱۷۲	یٹلی پیٹی سے کینسر کا علاج	۱۴۶	احساس کمتری سے نجات
۱۷۳	یٹلی پیٹی کا آٹھواں سبق	۱۴۸	سونے کے محل
۱۷۳	سائنس کی مشق	۱۵۱	عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
۱۷۳	اوقاتِ مشق	۱۵۳	قانونِ فطرت
۱۷۳	سائنس لینے کی تعداد	۱۵۶	یٹلی پیٹی کا پانچواں سبق
۱۷۵	دماغ ایک درخت	۱۵۹	یٹلی پیٹی کا چھٹا سبق
۱۷۸	روحانی انسان	۱۶۰	قیس درخت کی حالت
۱۸۰	روحانیت اور استدراج	۱۶۱	سائنس کی مشق

۷	یٹلی پیٹی اور سائنس کی مشق	۶	پیش نفاذ
۸۰	یٹلی پیٹی کا دوسرا سبق	۹	یٹلی پیٹی کیا ہے ؟
۸۲	منکر سلیم	۱۲	نظر کا قانون
۸۵	قبر میں پیر	۱۶	نام اسپیس
۸۶	انسان، فرشتے اور جنات	۲۰	ہنگامی نظام
۹۱	ایک انسان ہزاروں جسم	۲۳	حضرت سلیمان کا دربار
۹۳	شیر کی عقیدت	۳۱	خیالات کے تبادلہ کا قانون
۹۵	ہروں میں رد و بدل کا قانون	۴۰	ارتکازِ توجہ
۹۷	کیفیات و واردات سبق ۱	۴۵	یٹلی پیٹی کا پہلا سبق
۹۸	نورانی ہاں	۴۷	سٹاس اور نمک
۹۹	گناہوں کی دلدل	۵۱	آئینہ پینی
۱۰۰	نور کی بارش	۵۸	کیفیات و واردات سبق ۱
۱۰۱	چسراغ اور بوم بتی	۶۲	نیند کی دیوی
۱۰۲	جھاڑو اور کمزور شخص	۶۳	نور میں ڈوبی ہوئی کائنات
۱۰۶	علم کی درجہ بندی	۶۴	تیسری آنکھ
۱۱۲	دماغی کشمکش	۶۶	دعا قبول ہوئی
۱۱۶	یٹلی پیٹی کا تیسرا سبق	۶۷	ڈوب ڈوب کر ابھرنا
۱۱۹	سائنس کا عقیدہ	۶۸	جنت کا باغ
۱۲۱	درخت بھی گفتگو کرتے ہیں	۷۱	آواز خیالات کے دوش پر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

حضرت قلندر بابا اویار رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کی ایک عظیم روحانی ہستی ہیں اپنی گرفتار تصنیف "تذکرہ تاج الدین بابا" میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی بہرہ میں کن کے معنی معین کرنے جاتے ہیں، اسنے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی بناؤں کی نقل ہے جو ان کی بہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گڑبگڑ آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیت جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے ابنا سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ پہلا بھی ان کی بہرہ میں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صورت آسنے سامنے کے ذخیروں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے ذخیروں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے کنگروں، پتھروں، پتھوں کے ذروں میں من و عن اس طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔"

"اعلیٰ اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشور کا مندر ماہ ہے۔ اس کے ذریعے غیب ڈھونڈی ہر لہر دوسری لہر کے سنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں بہرہ میں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں غیبی شہود کی فراست اور محضرت کائنات کی رگ جہاں ہے۔ ہم اس رگ جہاں میں جو خود ہماری اپنی

رگ جہاں بھی ہے، تفکر اور توجہ کر کے اپنے بتارے اور دوسرے بتاؤں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے صورتات، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔"

"مسئل توجہ نے سے زمین کائناتی لاشور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سراپا کا جن پرست اتان کی گرفت سے آزاد ہو کر صورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور سمجھ کر دیتا ہے۔" ہر پہلے ۱۹۰۹ء میں جب روحانی ڈائجسٹ میں بلا میٹھی کے اسباق شروع کئے گئے تو ہمارے پیش نظر ہی مقصد تھا کہ اس ذریعے سے پاکیزہ نفسوں، اشفاق ذہنوں پر قدم قدم چل کر غیب شہود کی فراست اور محضرت، توفیق و سعادت کی حدود میں منکشف ہو جائے جو فراست اور محضرت حضور بابا صاحب کے الفاظ میں کائنات کی اور ہماری اپنی رگ جہاں ہے۔

مقام تشکر و امتنان ہے کہ اللہ رب العزت نے ہماری کوشش کو درجہ قبولیت عطا کیا۔ آئندہ صفحات میں محفوظ، بلا میٹھی کے اسباق پر عمل پیرا ہونے کے لئے طلباء اور طالبات کی روج ہونے و امداد و کیفیات اس کی شہادت دیتی ہیں۔

بلا میٹھی یعنی انتقال خیال کی تکنیک، امری علوم کی وہ شاخ ہے جسے عصر حاضر میں سب سے زیادہ نام توجہ حاصل ہوتی ہے یعنی مالک میں اور خود ہمارے ملک میں بھی بلا میٹھی کے موضوع پر بشمار کتاب میں ابتک شائع ہو چکا۔ جنکی علمی و علمی حیثیت پر کوئی تبصرہ کرنا اس وقت مقصود نہیں تاہم اتنا ضرور کہنا ہے کہ انتقال خیال کے علم کو، پہلے روحانی ڈائجسٹ کے صفحات میں اور اب اس مکمل کتاب کی صورت میں، جس نظری تشریح اور عملی رہنمائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کی مثال کتابی علوم میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ وہ اس کی ہے کہ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس کا ماخذ انگریزی کتب نہیں بلکہ اس کا سرچشمہ ہمارے روحانی اسلاف کا وہ عظیم انسان در شہ ہے جو سید سید منتقل

ٹیلی پیٹی کیا ہے؟

سائنس کی دنیا ہیکشانی اور شمسی نظاموں سے اچھی طرح روشناس ہے ہیکشانی اور شمسی نظاموں کی روشنی سے ہماری زمین کا تعلق کیا ہے اور ان نظاموں کی روشنی زمین کی فروع انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات پر کیا اثر کرتی ہے یہ مرحلہ سائنس کے سامنے آچکا ہے۔ سائنس دانوں کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ شمسی نظاموں کی روشنی حیوانات کے اندر، نباتات کے اندر اور جمادات کے اندر کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے اور کس طرح جانوروں، انسانوں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں رو و بدل کرتی رہتی ہے۔ سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر ہر وجود شے کی بنیاد یا قسم ہر اور صفت ہر ہے، ایسی ہر میں کو روشنی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

ٹیلی پیٹی میں ایسے علوم سے بحث کی جاتی ہے جو اس کے پس پردہ شعور سے چھپ کر کام کرتے ہیں۔ یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے حواس کی گرفت کھس مقروض ہے۔

مثال :

ہم جب کسی سخت چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس چیز کی سختی کا علم ہوجاتا ہے حالانکہ ہمارے دماغ کے اوپر وہ سخت چیز ٹکراتی نہیں ہے۔ سائنس کے نقطہ نظر اور اور مخفی علوم کی روشنی میں ہر شے دراصل شعاعوں یا ہرڈوں کے مجموعہ کا نام ہے جب ہم کسی

بتا رہا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا فیضان ہی ہے جس کی بدولت کیا سستی سکتے اور حضرات و خواتین میں وہ طرز فکر منتقل ہوتی چلی گئی جسے حلال طرز فکر کہا جاتا ہے۔ ان کے کس طرح درست ہو گئے اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ**

اس کتاب کی اشاعت کے اعلان کے بعد سے ایسا لگتا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں کوئی کنکری پھینک دی گئی ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈالرے بنتے چلے گئے اور ہر دائرہ قبولِ عام کی زندگی تصور میں گیا۔ اللہ لطیف و خیر کی طرف سے یہ بہت بڑا انعام ہے کہ کتاب چھپنے سے پہلے ہی شہر شہر، قریب و قریب، بازاروں اور محفلوں میں اس کا تذکرہ عام ہو گیا۔ میں اپنے کس فریاد و تنوّل کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے خلوص و محبت کی دولت بخشی ہے۔ بواسطہ رحمتِ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور دعا ہے کہ میری یہ کوشش مخلوقِ خدا کیلئے ذریعہ نجات بنے اور پریشان حال لوگ اس مقام پر فائز ہو جائیں جس کا تذکرہ خود خالی کا کتاب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ **الْاٰتِ اَوَّلِيَّاءَ اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يٰمَنْ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ**

جس طرح دنیا میں کسی بھی راجع علم کو سیکھنے کے لئے استاد ایک اہم ضرورت ہے، اسی طرح اس کتاب میں دعا ہوتی تفسیروں پر عمل کرنے کے لئے کسی استاد کی رہنمائی بہت ضروری ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں علم نفسیات (PSYCHOLOGY) اور علم مابعد النفسیات (PARAPSYCHOLOGY) کے استاد اور روحانی (SPIRITUAL) عملوں کے فیض یافتہ بزرگ بڑی آسانی کے ساتھ یہ فریض انجام دے سکتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ
خواجہ شمس الدین عظیمی

کس کس قسم کی لہریں کام کرتی ہیں اور ان لہروں پر کس طرح کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے تو ہم ان چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ لہر یا شعاع حاصل ایک جاری دوسری حرکت ہے اور ہر شے کے اندر لہروں یا شعاعوں کی حرکت کا ایک فارمولا ہے۔ ہمارے ارد گرد بہت سی آوازیں پہلی ہوئی ہیں۔ یہ آوازیں لہروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے قطر WAVELENGTH بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں آدمی نہیں سن سکتا اور ایک ہزار چھ سو قطر سے زیادہ اونچی آوازیں بھی آدمی نہیں سن سکتا۔ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رد (لہر) کے ذریعے سنی جاسکتی ہیں۔ اور ایک ہزار چھ سو قطر سے اونچی آوازیں بھی بجز برقی رد کے سنا ممکن نہیں۔ آنکھ کے پردوں پر جو عمل ہوتا ہے وہ رد یا لہر سے مختلف ہے۔ آنکھ کی جس قدر تیز ہوتی ہے اتنا ہی وہ رد کو زیادہ قبول کرتی ہے۔ اور اتنا ہی رد میں امتیاز کر سکتی ہے۔ ٹیلی ویژن کی اصل اصول یہی ہے کہ مشق کے ذریعے آنکھ کی جس کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ صاحب مشق رد اور جو اس کی لہروں میں امتیاز کرے۔ آنکھیں بھی جو اس میں شامل ہیں سب یہ ان چیزوں کا جو باہر سے دیکھتی ہیں زیادہ اثر قبول کرتی ہیں۔ باہر کا عکس آنکھوں کے ذریعے اندر دئی دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جو اس تازہ یا افسردہ ہوجانے ہیں، کمزور ہوجانے ہیں یا طاقتور۔ ان ہی باتوں پر دماغی کام کا انحصار ہوتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ایک ہزار چھ سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رد کے ذریعے سنی جاسکتی ہیں اور یہ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے تمام حواس اور خیالات بجائے خود "برقی رد" ہیں۔ اگر ہمارے خیالات برقی رد سے الگ کوئی چیز ہوتے تو برقی رد کو قبول ہی نہ کرتے۔ ٹیلی ویژن میں یہی خیالات جو دراصل برقی رد ہیں دوسرے آدمی کو منتقل کئے جاتے ہیں جیسا کہ

لکڑی یا لوہے کی طرف کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے دماغ کو ہنس کر دیتی ہیں۔ باخبری کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لکڑی یا لوہے کی سختی کو چھو کر محسوس کیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شعاع یا لہر اپنے اندر سختی رکھتی ہے اور نہ وزن۔ پھر ہمیں یہ علم کیسے ہوجاتا ہے کہ فلاں چیز سخت ہے یا فلاں چیز نرم ہے۔ ہم پانی کو دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں تو فوراً ہمارے دماغ میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ ہمارے دماغ میں پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی دماغ بھی لگتا نہیں ہے۔ جب ہمارا دماغ بھی لگتا نہیں ہے تو ہم یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

رنگ کی شعاعیں ساٹھ سے زیادہ دریافت ہو چکی ہیں۔ جب ہم کوئی رنگ دیکھتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اس رنگ کو فوراً پہچان لیتے ہیں بلکہ رنگ کے نلکے یا تیز اثرات سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ ہر رنگ اور ہر پالی دیکھ کر ہمیں سکون محسوس ہوتا ہے مسلسل اور متواتر سرخ رنگ سامنے رہنے سے ہمارے دماغ پر ناگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اعتدال سے زیادہ سرخ رنگ کے اثرات دماغ کو غیر متوازن بھی کر دیتے ہیں۔

حقائق یہ ہیں کہ ہر شے الگ اور معین مقدار کے ساتھ وجود پذیر ہے۔ لہروں یا شعاعوں کی معین مقدار میں ہی ہر شے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔ اور ہر شے کی لہریں یا شعاعیں ہمیں اپنے وجود کی اطلاع فسر ہم کرتی ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہر موجود شے دراصل لہروں یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے اور ہر شے کی لہر یا شعاع ایک دوسرے سے الگ یا مختلف ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ انسان، حیوانات اور جمادات میں

عکس دماغ کی اسکرین پر آجاتا ہے۔ اگر نگاہ کو کسی ہدف پر بندرہ سیکٹڈ سے زیادہ مرکوز کیا جائے تو ایک ہی ہدف بار بار دماغ کی اسکرین پر وارد ہوتا ہے اور حافظہ پر نقش ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہم کسی چیز کو پلک جھپکائے بغیر مسلسل ایک گھنٹہ تک دیکھتے ہیں تو اس عمل کے بعد قائم ہونے کا ہدف دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے اور دماغ میں یہ پیوستگی وہی انتشار کو ختم کر دیتا ہے۔ ہوتے ہوتے آئی مشق ہو جاتی ہے کہ شے کی حرکت صاحب مشق کے اختیار اور تصرف میں آجاتی ہے۔ اب وہ شے کو جس طرح چاہے حرکت دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نگاہ کی مرکزیت کسی آدمی کے اندر قوت ارادی کو جنم دیتا ہے اور قوت ارادہ سے انسان جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً سبھی کا مسل اصول بھی یہی ہے کہ انسان کسی ایک نقطہ نگاہ کو مرکوز کرنے پر قادر ہو جائے۔ نگاہ کی مرکزیت حاصل کرنے میں کوئی نہ کوئی ارادہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے جیسے نگاہ کی مرکزیت پر عبور حاصل ہوتا ہے اسی مناسبت سے ارادہ مستحکم اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ مثلاً سبھی جانتے والا کوئی شخص جب یہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے خیال کو دوسرے آدمی کے دماغ کی اسکرین پر عکس کر دے تو اس شخص کے دماغ میں یہ ارادہ منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اس ارادے کو خیال کی طرح محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ شخص ذہنی طور پر یک سو ہے تو یہ خیال تصور اور احساسات کے مراحل سے گزر کر منظم بن جاتا ہے۔ اگر اسی ارادہ کو بار بار منتقل کیا جائے تو دماغ اگر ایک سو ترقی ہو تو یک سو ہو کر اس خیال کو قبول کر لیتا ہے اور ارتکاز تو اسے خیال عملی جا رہا ہے کہ نظر عام پر آجاتا ہے۔ مثلاً سبھی محض خیالات کو دوسرے تک منتقل کرنے کا علم ہی نہیں ہے بلکہ اس علم کے ذریعے ہم اپنی زندگی کا مطالعہ کر کے زندگی کو خوش آہستہ تصورات سے لبریز کر سکتے ہیں۔ زندگی خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کے تلے بانے پر قائم ہے۔

منتقل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ یہ روشنی کسی ایک ذرہ پر یا کسی ایک سمت میں یا کسی ایک رخ پر مرکوز ہو جائے۔ اگر یہ محور یا دیربھی مرکوز رہے تو دور دراز تک اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ انسان کو اداران چہستروں کو جو ذی روح ہیں سمجھی جاتیں ان کو بھی اس روش کے ذریعے متاثر کیا جاسکتا ہے۔

یہ جانتا ضروری ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ باہر نہیں دیکھتے۔ کائنات کا ہر ظہیر ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود ہے حالانکہ خارج میں کسی شے کا وجود محض مفروضہ ہے۔ ہر شے ہمارے INNER میں قیام پذیر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا مشاہدہ اپنے اندر کرتے ہیں۔ اور یہ سب کا سب ہمارا علم ہے۔ اگر فی الواقع کسی شے کا علم حاصل نہ ہو تو ہم اس چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً پستی میں پہلے پہل یہ مشق کرانی جاتی ہے کہ ایشیا ہمارے اندر موجود ہیں۔ مشق کی ٹیکس کے بعد انسان یہ دیکھنے لگتا ہے کہ فلاں چیز میرے اندر موجود ہے اور مسلسل توجہ کے بعد اس چیز پر نظر بٹھرتی جاتی ہے۔ ارتکاز توجہ کے لئے سانس کی مشق اور مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

نظر کا قانون | مشقوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے نظر کا قانون سمجھ لینا ضروری ہے۔ آدمی دراصل نگاہ ہے۔ نگاہ یا بصارت جب کسی شے پر مرکوز ہو جاتی ہے تو اس شے کو اپنے اندر جذب کر کے دماغ کی اسکرین پر لے آتی ہے۔ اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس میں حسی پہناتا ہے۔ نظر کا قانون یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو پہنات دیتا ہے تو دماغ کی اسکرین پر اس شے کا عکس پندہ سیکٹڈ تک قائم رہتا ہے اور پلک جھپکنے کے عمل سے یہ آہستہ آہستہ مدہم ہو کر حافظہ میں چلا جاتا ہے۔ اور دوسرا

طبع، نفرت و حقارت، غرور و تکبر، خود نمائی وغیرہ وغیرہ سب خیالات کی پیداوار ہیں اور اس کے برعکس محبت، ایشاء، یقین، انکساری اور حزن و ملال کا ہونا بھی خیالات کی کار فرمائی ہے۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال کبھی کی طرح کوئد جاتا ہے کہ ہمارے یا ہماری اولاد کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے گا، حالانکہ حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیکن یہ خیال آتے ہی حادثات سے متعلق پوری پریشانیوں کو پیدا کر دیتی ہیں اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ یہی حال خوشی اور خوش حال زندگی کا ہے جب کوئی خیال تصور بن کر ایسے نقطہ پر مرکوز ہو جاتا ہے جس میں شادمانی اور خوش حالی کی تصویریں موجود ہوں تو ہمارے اندر خوشی کے قوارے اُبلنے لگتے ہیں۔

عزم اور خوشی دونوں تصورات سے وابستہ ہیں۔ اور تصورات خیالات سے جنم لیتے ہیں۔



زندگی زیادتی طور پر خواہشات کے خیر سے مرکب ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے گا تو اس کے اندر پہلی خواہش بھوک کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جب ماں بچہ کو پینے سے لگاتی ہے تو بچہ اپنی اس خواہش کی تکمیل اس طرح کرتا ہے جیسے یہ ماں کے پیٹ سے ہی میل سیکو کر آیا ہے۔ خواہشات کی تکمیل کے مراحل طے کرنے کا دوسرا نام تشو و نما ہے۔ خواہشات کی تکمیل دو طرح ہوتی ہے۔ ایک شعوری طور پر اور دوسرے لاشعوری طور پر۔ شعور اور لاشعور دو اصل ایک درج کے دو صفحے ہیں۔ ایک صفحہ پر خیالات اور تصورات کے نقوش زیادہ روشن اور واضح ہیں۔ دوسرے صفحہ پر دھندلے اور کم روشن۔ جس صفحہ پر نقوش زیادہ روشن اور واضح ہیں اس صفحہ کا نام لاشعور ہے اور جس صفحہ پر نقوش دھندلے اور کم روشن ہیں اس صفحہ کا نام شعور ہے۔ روحانیت میں یہ بات مشاہدہ کرائی جاتی ہے کہ روشن اور واضح خیالات میں ٹائم اسپیس نہیں ہوتا۔ غیر واضح خیالات اور تصورات کا ہر قدم ٹائم اسپیس کے ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ ہم جب کسی ایک خواہش اور اس کی تکمیل کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے۔ خواہش کو جب الگ مضمی پہنایے جاتے ہیں تو اس کی الگ ایک حقیقت ہر جاتی ہے۔ مثلاً بھوک ایک خواہش ہے اور اس کی تکمیل کا ذریعہ کچھ کھانا ہے۔ ایک آدمی بھوک کی تکمیل روٹی اور گوشت کھا کر کر لیتا ہے۔ دوسرا گوشت کی بجائے کما اور غذا سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ شیر گھاس اور پتے نہیں کھانا، بکری گوشت نہیں کھاتی۔ ایک آدمی کو انتہائی درجہ بھوکائی سے رنجیت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص تکمیل چیزیں زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس حقیقت سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی زندگی میں خوشی اور عزم کا تعلق براہ راست خیالات اور تصورات سے وابستہ ہے۔ کوئی خیال ہمارے لئے سرت آگیا ہوتا ہے اور کوئی خیال انتہائی گریباک۔ ڈر، خوف، شک، حسد،

میرے پاس دوبارہ لایا گیا۔ میں نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ ان کے تمام حالات سنے اور ان سے کہا میں دیکھ کر بتاؤں گا کہ آپ کے اوپر کس قسم کا اثر ہے اور ان کو ہدایت کروں گا کہ آپ دو تین روز کے بعد معلوم کر لیں۔ پندرہ روز تک وہ اپنے بارے میں مجھ سے جو صحبتیں کیا اور میں ان سے فرصت نہ ملنے کی معذرت کرتا رہا۔ جب ان کا یقین اس نقطہ پر مرکوز ہو گیا کہ میرے سوا ان کا علاج کوئی نہیں کر سکتا تو میں نے ان سے کہا "آپ کے اوپر زبردست اثر ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ آپ صبح اذان سے پہلے اتنے بخ کراتے منٹ پر بند آنکھوں سے میرا تصور کر کے بیٹھ جائیں۔ میں اپنی روحانی قوت سے یہ اثر ختم کر دوں گا۔ اب آپ مزید کئی زبان سے ان کا حال سنئے۔ مریض نے مجھے بتایا:

اس خیال سے کہ صبح وقت مقررہ پر میری آنکھ نہ لگ جائے میں ساری رات جاگتی رہی۔ گھڑی دیکھ کر وقت مقررہ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے اندر سے میرے دماغ میں ہر حق منتقل ہو رہی ہیں۔ جیسے ہمایہ ہر اس میرے دماغ سے ٹکرائیں میں نے دیکھا کہ میں ایک پرانے قبرستان میں ہوں۔ وہاں دو پرانی قبروں کے درمیان ایک جگہ میں نے مٹی ٹھوکی اور اس میں سے ایک گڑیا برآمد ہوئی۔ اس گڑیا کے سینے پر دل کی جگہ میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ گڑیا قبرستان کے کونڑوں میں ڈال دی اور اسی وقت پریت کا دم ختم ہو گیا۔ وقت مقررہ پر میں نے صوف پر مل گیا کہ اپنے خیال کی قوت سے مریض کو یہ بتایا کہ آپ کے اوپر جو اثر تھا وہ ختم ہو گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اوپر کوئی اثر یا جادو نہیں تھا۔

قانون تخلیق کے تحت انسان تین پرت کا مجموعہ ہے۔ ایک پرت مہفاتی ہے، دوسرا پرت ذاتی ہے اور تیسرا پرت ذات اور صفات کو الگ الگ کرتا ہے۔ اس ہی پرت کو ہم

ٹائم اسپیس

آپ نے ایسے مریض ضرور دیکھے ہوں گے کہ ان کے دماغ میں یہ بات نقش ہو گئی ہے کہ وہ اگر گوٹے یا پرنکلیں گے تو ان کا ایک بیڈنٹ ہو جائے گا۔ خیال کی طاقت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں پھیلنے والی کا خوف بیٹھ جاتا ہے۔ اور یہ خوف ان کے دماغ سے اس طرح چھٹ جاتا ہے کہ وہ ذہنی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس خوف کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ بس ایک مفروضہ کے تحت خیال خوف بنا کر دماغ پر چھا جاتا ہے۔

میرے پاس ایک مریض لائی گئی جس کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ اس کے اوپر جادو کیا گیا ہے اور اس جادو کی وجہ سے کھانے کے بعد اس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ شوہر اس بات کو بے بنیاد قرار دیتے تھے۔ میری تشخیص بھی یہی تھی کہ مخض وہم ہے۔ علاج کے سلسلے میں ہضم سے متعلق کچھ دوائیں دے دی گئیں لیکن مریض میں افاقہ کی بجائے اضافہ ہو گیا اور درد کی شدت اتنی بڑھی کہ مریض کو دائمی دورے پڑنے لگے۔ اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ علاج پر کئی ہزار روپے خرچ ہونے کے باوجود مریض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی "کے مصداق مریض دگرگوں ہو گیا۔ اس کے بعد نفسیاتی اسپتال میں ایک ماہ تک علاج ہوتا رہا۔ پھر عامل حضرات سے رجوع کیا گیا۔ جب کسی بھی صورت سے فائدہ نہ ہوا تو مریض کو

ہر پرت کے محوسات جدا گانہ ہیں۔ ذات کا پرت وہم اور خیال کو بہت قریب سے دیکھنا، سمجھنا اور محسوس کرتا ہے۔ صفات کا پرت وہم اور خیال کو تصور بنانا کہ جس کو خیال کو منتقل کر دیتا ہے اور تصورات کو معنی کا لباس پہننا کہ خوشی یا غم کا محسوس دیتا ہے۔ اگر اس کو ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی خوب صورت باغ سے متعلق ہوں تو اس کے اندر رنگین پتھریں، رنگین روشیناں، خوشبو کے طوفان، صحن کے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں اور اگر ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی حادثہ سے تعلق رکھتی ہوں تو اس کے اندر رنگین روشنیوں کی بجائے تاریکی، خوشبو کی جگہ بدبو اور حُسن کی جگہ بدصورتی، خوشی کی جگہ غم، ایسے کی بجائے مایوسی اور محبت کی جگہ نفرت جیسے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں۔

قدرت نے جس پرت کو غیر جانب دار (NEUTRAL) بنایا ہے اس میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ ایک نقشِ باطن جس کے اندر لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے اور ظاہر میں (TIME-SPACE) کا کل شکل نہیں ہوتا۔ دوسرا نقش ظاہر، جس کے اندر غرض پسندی، حسد، ذہنی تعیش، احساسِ کسری، کم ظرفی اور تنگ نظری جیسے جذبات تشکیل پاتے ہیں۔ اصل بات خیالات کو معنی پہنانے کی ہے۔ خیالات کو جو معنی دیئے جاتے ہیں وہ تصور بن جاتا ہے اور پھر یہی تصور منظرِ انوارِ خدا کو اختیار کر کے ہماری زندگی کی راہ متعین کرتا ہے۔ غم دانندہ سے بسیرت یا آرام و آسائش سے بھرپور۔

تصورات میں اگر چھبیدگی ہے تو یہ الجھن، اضطراب اور پریشانی کا جسارہ بن جاتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو نقشِ باطن میں خرابی پڑ جاتی ہے۔ یہی خرابی خلیاتی امراض کی بنیاد بنی۔ ان خرابیوں سے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً سرگی،

دماغی قوت کا عارضہ، مایوسی، خفقان، کینسر، بے گندہ، دق اور سیل وغیرہ۔

جب تک ہماری بنیادی خواہشات خیر آسودہ رہتی ہیں ہم محسوس رہتے ہیں۔ یہ غمیر آسودگی ہیں غیر مطمئن اور مصطلح رکھتا ہے۔ زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو۔ چونکہ ہم غم زدہ یا پر مسرت زندگی گزارنے کے قانون سے ناواقف ہیں اس لئے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر بیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور نادانانہ کیفیت کی بنا پر اپنے لئے ایسا راستہ منتخب کر لیتے ہیں جس میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم جب زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ زندگی کے روز و شب اور ماہ و سال آدمی سے زیادہ آزدگی اور ساری میں گزر جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس راستے میں مسرت کی روشن قدرتیں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کون سی فضا ہے جس میں شبہ نہ مونی بن جاتی ہے۔ وہ کون سا ماحول ہے جو وسط اور پر سکون ہے۔ وہ کون سی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے۔ ہم ناخوش اور غیر مطمئن اس لئے ہوتے ہیں کہ ہمارے اندر جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ غیر شعور کا ہے اور ہم خواہش کے پس پردہ ضرورت سے ناواقف ہیں۔

ہیکسانی نظام

بڑی شکل یہ پیش آگئی ہے کہ ہم رگ پٹیوں کی بناوٹ اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو انسان کہتے ہیں حالانکہ یہ انسان وہ انسان نہیں ہے جس کو فطرت انسان کہتا ہے۔ ہم اس رگ پٹیوں سے مرکب انسان کو اصل انسان کا لباس کہہ سکتے ہیں۔

مثال :

جب ہم مریض ہوتے ہیں تو ہمارے جسم میں کسی قسم کی ایسی کوئی حرکت نہیں رہتی۔ اس جسم کے ایک ایک عضو کو کاٹ ڈالنے، پورے جسم کو گھسیٹنے، مفرد بکھینچنے، اس مردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیکھنے، کچھ بھی کیے جسم کی طرف سے اپنی کوئی مداخلت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس میں زندگی کا کوئی شائبہ کسی ٹوٹ بھی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اب ہم ایسی مثال کو دوسری طرح بیان کرتے ہیں :

آپ نے قیاس پہنی ہوئی ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ قیاس بذات خود جسم سے الگ رہ کر بھی حرکت کرے تو یہ بات ممکنات میں سے نہیں ہے۔ جب تک قیاس جسم کے اوپر ہے جسم کی حرکت کے ساتھ اس کے اندر بھی حرکت موجود ہے۔ اگر آستین ہاتھ کے اوپر ہے تو ہاتھ ہلانے سے آستین کا ہلنا بھی ضروری ہے۔ آپ یہ چاہیں کہ ہاتھ تو حرکت

کرے لیکن آستین میں حرکت پیدا نہ ہو، ایسا ہونا بے حد از قیاس ہے جب تک ہاتھ کے اوپر آستین ہے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ آستین کا ہلنا ضروری ہے۔ بالکل یہی حال جسم کا بھی ہے۔

جسم کو جب ہم لباس کہتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رگ پٹیوں اور ہڈیوں کے پتھر سے مرکب خاکی جسم، رُوح کا لباس ہے۔ جب تک رُوح موجود ہے جسم بھی متحرک ہے اور اگر رُوح موجود نہیں ہے تو رُوح کے لباس (جسم) کی حیثیت قیاس کی طرح ہے۔

انسان دو تقاضوں سے مرکب اور متحرک ہے۔ ایک تقاضہ جلی ہے اور دوسرا فطری۔ جلی تقاضہ پر ہم با اختیار ہیں اور فطری تقاضہ پر ہمیں کسی حد تک تو اختیار ہے مگر اس ارادہ کو کلیتاً رد کرنے پر اختیار نہیں رکھتے۔ ایک ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ بچہ مر جاتا ہے، ماں رو دھو کر بالآخر صبر کر لیتی ہے۔ عرف عام میں ماں کی محبت کو فطری تقاضہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ تقاضہ فطری نہیں، جلی ہے۔ ماں کی محبت کو اگر فطری جذبہ قرار دیا جائے تو بچہ کی جدائی کے غم میں اپنے بچے کے ساتھ ہی مارجائے گی یا بچہ کی یاد اس کے حواس کا شیرازہ بکھیر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس فطری تقاضے بھوک اور نیند کے سلسلے میں غمزہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی آدمی بھوک رفع کرنے کے لئے غمخوارک میں کمی بیشی تو کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کبھی کچھ نہ کھائے یا پیاس کا تقاضا پورا کرنے کے لئے بالکل پانی نہ پیئے۔ یا ساری عمر جاگتا رہے یا پوری زندگی سوتا رہے۔ ان معانی کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جذبات فطری ہوں یا جلی، بہر کیف ان کا تعلق خجالات سے ہے جب تک

کوئی تقاضہ خیال کی صورت میں جلوہ گر نہیں ہوگا ہم اس سے بے خبر رہیں گے۔ ہمارے اوپر جو اس (بصارت، سماعت، اگوائی، لمس) کا انکشاف نہیں ہوگا۔

انسان کے اندر یہ خواہش فطری ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ خیالات کیوں آتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں اور خیالات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل کر کس طرح زندگی بنتے ہیں۔ عام زبان میں تفکر کو آنا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آنا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہے جن کو مجموعی طور پر نشہ دہکتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں، ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادُل خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آنا یعنی تفکر کا ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اسی وضع کے تبادُل خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادُل خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔

ہکشاکی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا استحکم رشتہ ہے۔ پلے در پلے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے بنے ہوئے تصویر خانے کے لئے آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہم، تخیل، تصور اور تفکر کا نام دیتے ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کے سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک رکھتا ہے۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی آنا کی انداز کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اسی اسلوب کے سامنے

میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادُل یا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے ہکشاکی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رکن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی اہمیں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں۔ اور جب یہ اہمیں معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ کائنات زمانی اور مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے آنا کی چھوٹی بڑی مخلوق اہروں سے بنتے ہیں۔ ان اہروں کا چھوٹا ٹاپا ہونا ہی تفسیر کہلاتا ہے۔

یہ قانون بہت زیادہ فکر سے ذہن نشیں کرنا چاہیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے ہیں ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی اطلاعات سے ہوتا ہے جو اس کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ یہ اطلاعات اہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی اور مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ آنا کی اہمیں لائق اہمیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانہ اور مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان اہروں کے لئے زمانی اور مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی اہمیں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں آنا کی اہمیں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔ اس بات کی تصدیق قرآن حکیم میں حضرت سلیمان کے سلسلے میں بیان کردہ واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

جب یہ خط لگا تو ملکہ نے اٹھا کر پڑھا اور پھر اپنے درباریوں سے کہا۔
 ”ابھی میرے پاس ایک مکتوب آیا ہے جس میں یہ درج ہے۔ یہ خط سلیمان
 کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تم کو ہم
 سے سرکشی اور سر بلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور تم میرے پاس خدا کے فرماں بڑا
 بن کر آؤ۔“

ملکہ سبباً نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا۔ ”اے میرے ارکان حکومت تم جانتے
 ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کرتی۔ اس لئے
 اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

ارکان حکومت نے عرض کیا۔ ”جہاں تک یہ عیب ہونے کا تعلق ہے اس کی قطعاً
 ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا مشورے
 کا معاملہ تو آپ جو چاہیں فیصلہ کریں، ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔“

ملکہ نے کہا۔ ”جس عجیب طریقے سے سلیمان کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ میں اس
 بات کا سبق دیتا ہے کہ سلیمان کے معاملے میں سوچ بچھ کے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ نیز ارادہ
 یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمان کے لئے عمدہ اور بیش قیمت تحائف لے جائیں۔“

جب ملکہ سبباً کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے
 تو انہوں نے فرمایا۔ ”تم اپنے ہدایا دہیں لے جاؤ اور اپنا ملکہ سے کہو اگر اس نے میرے پیغام
 کی تعمیل نہیں کی تو میں ایسے عظیم نشانِ شکر کے ساتھ سبباً والوں تک پہنچوں گا کہ وہ اس
 کی مدافعت اور مقابلے سے عاجز ہو گئے۔ اور پھر میں تم کو ذیل اور رسوا کر کے شہر بدر
 کر دوں گا۔“

حضرت سلیمان کا دربار | حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم نشان اور بے مثال
 دربار میں انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی دربار کی خدمات کے لئے حاضر ہتے
 تھے اور اپنے مراتب اور سپرد کردہ خدمات پر بے چون و چرا عمل کرتے تھے۔

دربار سلیمان پر سے جاوہ چشم کے ساتھ صنعت تھا۔ حضرت سلیمان نے چارہ
 لیا تو ہڈی کو غیسر ہا فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔

”میں ہڈی کو موجود نہیں پاتا۔ کیا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ اگر اس کی غیر حاضری
 ہے وہ ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا پھر وہ اپنی غیر حاضری
 کی کوئی معقول وجہ بتائے۔“ ایسی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہڈی حاضر ہو گیا۔ اور حضرت
 سلیمان کی باز پرس پر اس نے کہا۔

”میں ایک ایسی لقمی خیر سلایا ہوں جس کی اطلاع آپ کو نہیں ہے۔ وہ یہ ہے
 کہ میں کے علاقے میں سبباً کی ملکہ رہتی ہے اور خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے
 اور اس کا تخت سلطنت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے عظیم نشان ہے۔ ملکہ اور اس کی
 قوم آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور وہ خدا سے لاشریک
 کی پرستش نہیں کرتے۔“

حضرت سلیمان نے کہا۔

”تیرے جھوٹ اور سچ کا امتحان ابھی ہو جائے گا۔ تو اگر سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا
 اور اس کو ان تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔“

بہر جب یہ خط لے کر پہنچا تو ملکہ سبباً سورج دیوتا کی پرستش کے لئے جا رہی تھی۔
 ہڈی نے راستہ ہی میں یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔

خیال کی نقل ہے جو آنا کی ہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونا گوا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف کی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی آنا کی ہروں خیالات کی منتقلی کا کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آنے سے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ڈروں میں من و عن ای طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی

واقعات اس کے مثا ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی شعور کا فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب ڈھونڈ کر ہر لہر دوسری کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہروں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب ڈھونڈ کر فرست و معنویت کائنات کی رگ جاں ہے جو خود ہماری اپنی رگ جاں بھی ہے۔ تفکر اور توجہ کر کے ہم اپنے برتاؤ اور دوسرے ستاروں کے آثار و احوال کا شہدہ کر سکتے ہیں۔ اور انسانوں، حیوانوں، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، جنانات اور جمادات کی اندرونی تحریکات بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ مسلسل مشق اور اذکار توجہ سے ذہن کائنات لا شعور میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے سراپا کا عین پرست آنا کی گرفت سے آزاد ہو کر فرشتہ کے مطابق ہر حسب زندہ کیجیگا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

یہی روحانیت ہے اور یہی (TELEPATHY) ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ روحانیت اپنے اندر ایک وسعت رکھتی ہے اور یہی پتھی صرف خیالات کے

قاصد نے واپس آکر ملکہ سببا کے سامنے تمام صورت حال بیان کی اور حضرت سلیمان کی عظمت و شوکت کا جو حال دیکھا تھا حرف بہ حرف کہہ سنایا اور بتایا کہ ان کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان اور سخر ہیں۔ ملکہ نے جب یہ سنا تو طے کر لیا کہ بہت ہی ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہا جائے۔ لہذا اس نے سفر شروع کر دیا اور حضرت سلیمان کی خدمت میں روانہ ہو گئی۔

حضرت سلیمان کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سببا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا "میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سببا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی اس دربار میں موجود ہو"

ایک دیو سپر کرمن نے کہا: "آپ کا دربار برخواست کرنے سے پہلے ہی میں تخت لاسکتا ہوں"

جن کا یہ دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا، یہ کہا "اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے میں یہ تخت آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں"

حضرت سلیمان نے رنج پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سببا کا تخت موجود تھا۔ نامہ اسپیس کی حدت دیوں میں جکڑے ہوئے شعور کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملکہ سببا کا تخت شاہی خیال کی رفتار سے، پلک جھپکنے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گیا۔ یعنی بندہ کے خیال کی ہروں تخت کے اندر کام کرنے والی ہروں میں جذب ہو کر تخت کو منتقل کرنے کا ذریعہ بن گئیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی ہروں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلہ

کے اندر آ موجود ہوئی۔ اس نے حجرہ کی زینچ کو کھائی۔ کان میں آواز پڑی تو دل نے کہا
مطلوب آ پہنچا۔ ہم نے کنڈی کھول دی۔ وہ دونوں حجرہ کے اندر آ گئے۔ دیکھا تو اس کا
شوہر بھی حسن و جمال میں یکتا و بے مثال تھا۔

ہم نے پوچھا: تم دونوں کس لئے آئے ہو؟
بولے: "ہم کو اولاد کی تمنا ہے۔"

ہم سمجھ گئے کہ یہ سب فساد و حضرت عشق کا ہے ورنہ ابھی تو ان کے دن کیسے کوڑنے
اور سیر تماشا کے میں۔ کیسی اولاد اور کیسی تمنا! اس حسین قتال نے ہماری طرف منگنی باندھ
لی۔ اس کے شوہر سے ہم نے کہا: ذرا تم باہر جا کر پنجب سر لگا دو۔ ہم کو تہاری بیوی سے ایک
پردے کی بات پوچھنی ہے۔"

وہ غریب دروازہ بند کر کے باہر ہو گیا۔ اس زمانے میں ہمارے گھر میں تیس سال
کا آتی۔ ہم نے اپنے دل سے کہا: "لوگو حضرت! کیا ارادہ ہے۔ اگر اس کو جوڑنا چاہتے
ہو تو میاں بیوی دونوں رضی میں اور اگر بہن بنا چاہتے ہو تو سچا اپنی ماں اور بہن کو کیوں
چھوڑا؟ جس کے لئے آٹھ دن سے بے تابی اور بے قراری تھی، وہ موجود ہے۔ کب کیسا
کہتا ہے؟"

دل نے جواب دیا: یہ بھی ایک کیل کھیلنا تھا سو کیل چکے ہیں اب کوئی خواہش
باقی نہیں رہی۔"

اس کے بعد ہم نے اس سے ایک دو باتیں پوچھ کر اس کے خاندان کو بلا لیا اور
ایک تعویذ لکھ کر ان کے حوالے کیا اور کہا "جاؤ، خدا مانتا!"
ان کے جانے کے بعد خیال آ رہا کہ عشق فرود کچھ رنگ لائے گا اور طرف ثانی

بتا دے گا نام ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ کی کتاب "تذکرہ غوثیہ" میں
مولانا گل حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز راقم نے عرض کیا "حضرت کبھی آپ کو عشق بھی
ہوا ہے؟"

حضرت نے فرمایا:

جب ہم گھر سے چل کر بنارس پہنچے تو وہاں ہمارے بھائی فیض الحسن تھا زیدار تھے۔
ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ بھائی نے بہت امرار کیا کہ گھر پر بیٹھو۔ مگر ہم کو بولے
مسجد کے آرام کہاں تھا۔ گنگا کے کنارے ایک مسجد تھی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ مسجد کے ایک طرف
گھاٹ تھا اور دوسری طرف شارع عام تھی۔ بھائی صاحب بھی روزمرہ وہاں تشریف لاتے
تھے۔ کھانا بھی وہی بیچتے تھے۔ ایک روز عصر کی نماز کے بعد مسجد کا دیوار پر بیٹھے ہوئے ہم سیر
کر رہے تھے کہ بجایک ایک نازنین، حسین، غارت گریبان و دین، جو وہ پندرہ کا سن و
سال، قیامت کی چال ڈھال، قوم سے کشمیری برہمن اپنی بھولیوں کے جلو میں آفتاب عتاب
کی طرح نظر کو خیرہ کرتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔ نظر چار ہوتے ہی ہوش و حواس
کو بیٹھے۔ مگر ابھی اتنی عقل باقی تھی کہ ہم نے مسجد کے آسے کہہ دیا کہ ہمارے بھائی آئیں یا
کھانا بیچو! تو تم ان سے یہ کہہ دینا کہ تم جلتے میں بیٹھے ہیں اور سب سامان مجھ کو دے دیا ہے
جس وقت ضرورت ہوگا میں کھانا تیار کر کے دے دوں گا۔ ملا کو یہ بات سمجھا کہ ہم نے حجرہ
کا دروازہ بند کر لیا۔ اور اس پر روکا تصور قائم کر کے عالم خیال میں گم ہو گئے۔ اس عرصہ
میں کھانا پینا، نماز و روزہ سب بالائے طاق رکھ دیا۔ آٹھویں دن وہ تصویر مجھ کو کر سامنے
آکھڑی ہوئی۔ اسی دن وہ نازنین دل ربا اپنے شوہر کے ساتھ، تعالیٰ میں شہر سنی رکھے مسجد

کو بھی ستائے گا۔ یہاں سے چل دینا اچھا بہتر ہے۔ یہ موقع کریم آدمی حارات گزرنے پر وہاں سے چل دیئے اور میں کو سس دور جا کر دم لیا۔

دوسرے دن وہ نیک بخت بھی شوہر کے ہمراہ یکے میں سٹیٹھی غھر کے وقت اسی مقام پر آ پہنچا۔ بال پریشاں، طبیعت اداس، چہرہ تیز مردہ، دل افسردہ اور یاس زدہ۔ میرے قریب آ کر زار و قطار رو تے ہوئے التجا کی کہ آپ بنا رس تشریف لے چلیں۔ جب دونوں نے بہت اصرار کیا تو میں مجبوراً کہتا ہوں کہ ہم یہاں ضروری کام سے آئے ہیں، وہ ہو جائے گا تو ہم دو چار دن میں خود ہی بہت برس چلے آئیں گے۔ غرض تسلی و تشفی دے کر ان کو بند کس کی طرف روانہ کیا اور ہم نے لکھنؤ کی راہ لی۔ نہیں معلوم بعد میں اس پر کیا گزری۔

حضرت غوث علی شاہ کے اس واقعہ میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خیالات مسلسل ایک نقطہ پر کوئی ہو جائیں یا کر دیئے جائیں تو معمول خواہ ان خیالات سے متعلق نہ ہو لیکن وہ حامل کے خیال کی قوت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

امان اللہ بچائی لائبریری

لوٹ نمبر DS/3-4 ہلاک
D ہاؤسنگ کمپلیکس پورٹ
نام اتھارٹی کراچی 7806

خیالات کے تبادلہ کا قانون

انسان تین دائروں سے مرکب ہے۔

پہلا دائرہ فرد کا شعور ہے۔

دوسرا دائرہ فرد کا لاشعور اور نوع انسان کا شعور ہے۔

تیسرا دائرہ نوع انسان کا لاشعور اور کائنات کا شعور ہے۔

ایک انسان جس کو ہم فسر د کا نام دیتے ہیں وہ ان تین دائروں سے مرکب

ہے یعنی فرد کا اپنا شعور اور لاشعور، نوع انسان کا شعور، لاشعور اور کائنات کا شعور۔

تفصیل اس اجمال کی یہ مونی کہ ایٹم فرد کے اندر نوع انسان اور کائنات میں

موجود ہر مخلوق کی اطلاعات موجود ہیں۔ اور ان اطلاعات کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہتا

ہے۔ اگر فرد کے ذہن میں جنات اور فرشتوں سے متعلق اطلاعات کار و بدل نہ ہوتی

اور جنات کا تذکرہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ یہ الفاظ دیگر کائنات اور کائنات میں موجود

جتنی بھی مخلوق ہے اس مخلوق کے خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خیالات

کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتا ہے۔ علمائے انقیاس ہم بھوک اور

پیاس سے اس لئے باخبر ہیں کہ بھوک اور پیاس کی اطلاع ہمارے ذہن پر خیال

بن کر دار ہوتی ہے۔ ہم کسی آدمی سے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ اس آدمی کی شخص

دل کے ذریعے ہمارے اندر کام کے ہرول میں جذب ہو جاتی ہے۔ جس حد تک ہم کسی خیال کو قبول یا رد کرتے ہیں اس ہی مناسبت سے ہم کسی فرد سے قریب یا دور ہو جاتے ہیں۔ خیالات کے رد و بدل کا یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو ہم ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے۔ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ان ہی خیالات کو ہم اپنی زبان میں تو ہم، فحشل، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ اور یہی نقطہ مشترک ہمیں دوسری مخلوق کی موجودگی کا علم دیتا ہے۔ انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے سلسل ایک ربط رکھتا ہے کیوں کہ یہ ربط ہر وقت قائم ہے اس لئے ہم اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے اس ربط کے ذریعے اپنا پیغام کائنات کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

انسان کو حیوان نامن کہا جاتا ہے۔ ایسا انسان جو الفاظ کی ہرول کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر نامن کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہیل، دو دیکریاں یا دو کبوتر آپس میں باتیں نہیں کرتے یا ایک دوسرے کے جذبات کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک انسان الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے یا لگا لگا ہی طرز الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسرے حیوان اپنے جذبات و احساسات

کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سرایت ثانی ان جذبات و احساسات کو پورے معنی کے ساتھ صرف یہ کہ سمجھتا ہے بلکہ قبول کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے چوٹی اور حضرت سلیمان کی گفتگو کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بہت غور طلب ہے۔ چوٹی نے حضرت سلیمان سے باتیں کیں اور حضرت سلیمان نے اس کی گفتگو کو سمجھا۔ ظاہر ہے کہ چوٹی نے الفاظ میں گفتگو نہیں کی بلکہ اس کے خیالات کی لہریں حضرت سلیمان کے ذہن نے قبول کیں اور ان کو سمجھا۔ اس واقعہ میں یہ حکمت ہے کہ خیالات، احساسات، جذبات، الفاظ کے بغیر بھی سنے اور سمجھے جاسکتے ہیں۔

یہ سلی سٹیجی الفاظ کے قانونوں سے مترا ہو کر خیالات منتقل کرنے کا ایک علم ہے۔ ہم اگر حضرت غوث علی شاہ صاحب کی طرح کسی ایک فرد کو اپنے خیالات کا ہدف بنا لیں تو وہ ایک فرد ہمارے خیالات کی لہروں سے متاثر ہو کر وہاں کچھ کرنے پر مجبور ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ اور اگر ہم کائنات کے نقطہ مشترک سے باخبری حاصل کر لیں اور اپنے خیالات اس نقطہ مشترک میں منتقل کر دیں تو کائنات ہمارا خیال قبول کرنے پر مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور ہم نے ہمارے لئے سخن کرنا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں"۔

بات صرف اتنی ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہو جائیں کہ کائنات کی تمام مخلوق کے افراد خیالات کی لہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے سلسل اور بہیم ربط رکھتے ہیں۔ اور ہنسر دے خیالات لہروں کے ذریعے آپس میں تبادلہ ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں کہ تبادلہ خیال کے اس قانون سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے خیال ہماری گرفت سے باہر رہتا ہے۔ اور ہم زندگی کا زیادہ حصہ خیالات کی شکست و ریخت

جگہ دیا جائے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی میں کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ ذہن کو شک سے نجات دلانے کے لئے یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ آخر شک ذہن انسانی میں کیوں کر جنم لیتا ہے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دوسروں اور شک کی بنا دوسم اور نقیبن پر ہے اور اسی کو مذہب میں شک اور ایمان کہا گیا ہے۔ آدمی زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کا کوئی ٹکڑا (FRACTION) خواہ اس کی زندگی تو بڑی سی کیوں نہ ہو لیکن وہ ان ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی رہتا ہے۔ غوطہ امر یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ذہن میں وقت کے یہ چھوٹے ٹکڑے جوڑتا ہے اور ان ہی ٹکڑوں سے کام لیتا ہے۔ ہم باقی وقت کے اس ٹکڑے سے آگے

دوسرے مسلسل ٹکڑے پر آجاتے ہیں یا وقت کے اس ٹکڑے سے چلتے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ آدمی ابھی سوچتا ہے کہ میں کھانا کھاؤں گا لیکن اس کے پیٹ میں گرانی ہے۔ اس لئے وہ یہ ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ وہ کب تک اس ترک پر قائم رہے گا اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ علیٰ غلظت یقیناً اس کی زندگی کے جزائے ترکیبی یہی افکار ہیں جو اسے ناکام یا کامیاب بناتے ہیں۔ ابھی وہ ایک ارادہ کرتا ہے پھر اُسے ترک کر دیتا ہے۔ چاہے غٹوں میں ترک کرتا ہے، چاہے گھنٹوں میں، چاہے مہینوں میں، چاہے سالوں میں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ "ترک" آدمی کی زندگی کا جزوِ اعظم ہے۔

بہت سی باتیں ہیں جن کو وہ دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بے زاری، بے عملی، بے چینی وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ اب دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا ہے سکون۔ یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسائیاں تلاش کرتا ہے۔ ہم یہ نہیں

میں گزار دیتے ہیں۔ یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ فلاں آدمی کی قوت ارادی (WILLPOWER) بہت زیادہ ہے۔ ایسا آدمی عام آدمیوں کی نسبت معاملات زندگی زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے۔ قوت ارادی سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اندر خیالات کی شکست و ریخت بہت کم ہوتی ہے۔ اور ذہن ایک نقطہ پر مرکوز رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کسی شخص کو زیادہ آسانی سے متاثر کر سکتا ہے۔ جن لوگوں میں قوت ارادی کمزور ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا کوئی خاص نصب العین متعین کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ قوت ارادی کو بروئے کار لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات سے وقوف حاصل کر لیں کہ ہمارا پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔ کائنات اور ہمارے درمیان جو شخصی رشتہ ہے وہ بھی خیال کے اوپر قائم ہے۔

روحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ میں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوڑ پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں، پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ دور جوانی کا ہے اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔ سرور، خشک، تلخ و شیریں حالات سے گزر کر ہم موت سے قریب ہو جاتے ہیں اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اب اس دنیا سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا ہے۔

خیال اور زندگی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہمارا پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے اور یہ کہ کائنات اور ہمارے درمیان جو شخصی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے۔ اب فردت اس بات کا ہے کہ دماغ میں خیالات کی اس شکست و ریخت کو کم سے کم کیا جائے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دماغ میں شک اور دوسروں کو کم سے کم

کرتا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔

آدمی جس معاشرے میں تربیت پا کر جوان ہوتا ہے وہ معاشرہ اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ اس کا ذہن اس قابل نہیں رہتا کہ اس عقیدے کا تجزیہ کر سکے چنانچہ وہ عقیدہ یقین کا مقام حاصل کرتا ہے حالانکہ وہ محض فریب ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہم بنا چکے ہیں کہ آدمی جو کچھ خود کو نظر آتا ہے حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

اس قسم کی زندگی گزارنے میں اُسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں، ایسی مشکلات جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اُسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عمل تلف ہو جائے گا۔ اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ بعض اوقات پر شک بہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے۔ اور اگر تلف نہیں ہو رہی ہے تو سخت خطرے میں ہے۔ اور یہ سب کچھ ان دماغی خلیوں کی وجہ سے ہے جن میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہا ہے۔

جب آدمی کی زندگی وہ نہیں ہے جسے وہ گزار رہا ہے، جسے وہ پیش کر رہا ہے، جس پر اس کا عمل ہے اور وہ اس عمل سے وہ نستاگیا برآمد کرنا چاہتا ہے جو اس کے حسب خواہ ہوں لیکن دماغی خلیوں کی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ اور رد و بدل قدم قدم پر اس کے عملی راستوں کو بدلتا رہتی ہے۔ اور وہ یا تو بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں یا ان سے نقصان پہنچتا ہے۔ یا ایسا شک پیدا ہوتا ہے جو قدم اٹھانے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آدمی کے دماغ کی ساخت دراصل اس کے اختیار میں ہے۔ ساخت سے مراد دماغی خلیوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ، اعتدال میں ٹوٹ پھوٹ یا کم ٹوٹ

کہنے کے لیے سب حقیقی ہیں بلکہ ان میں زیادہ تر مفروضات ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو انسان کو آسان معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہی رحمان ہے جو آسانیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ دراصل انسان کے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ آسانیوں کی طرف دوڑتا ہے اور ہر شکل سے بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو سمتیں ہیں اور ان سمتوں میں آدمی انکار کے ذریعے سفر کرتا ہے۔ اس کی ہر حرکت کا منبع ان دو سمتوں میں سے ایک سمت ہے۔ ہوتا ہے کہ آجی ہم نے ایک تدبیر کی۔ اس وقت جب ہم اس تدبیر کی تنظیم کر رہے تھے وہ ہر طرح نکل سکتی اور اس کی سمت بجا صحیح تھی لیکن صرت چند قدم چلنے کے بعد ہمارے ذہن میں تبدیلی ہوئی۔ تبدیلی ہونے ہی انکار کا رخ بدل گیا۔ نتیجہ میں سمت بھی تبدیل ہو گئی۔ اب ہم جس منزل کی طرف رواں دواں تھے وہ منزل غیب میں چلی گئی۔ اور ہمارے پاس باقی کیا رہا؟ — ٹوٹنا اور ٹوٹ کر دم اٹھانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کروڑ آدمیوں میں صرف ایک آدمی ایک قدم اٹھاتا ہے جو صحیح سمت میں اٹھتا ہے، اور بچے نہیں ہٹتا۔ واضح رہے کہ یہ تذکرہ یقین اور شک کی درمیان راہوں کا ہے۔ اب یہی فکر کی بات، تو اس کے دماغ کا خود وہم اور شک پر ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہر وقت عمل کرتا رہتا ہے۔ جس قدر اس شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں (CELLS) میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگا۔ یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں۔ اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔ کسی چیز پر انسان کا یقین کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ فریب کو جھٹلانا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان جو کچھ ہے خود کو اس کے خلات پیش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفروضہ خوبیاں بیان

معلوم کر روشنیوں ہی اس کی زندگی میں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ صرف مٹی کے پتیلے سے واقف ہے۔ اس پتیلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مٹی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وہ کھنی مٹی (خلاص) ہے۔ اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ نے پھونکی ہے۔

روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے سخت کرتی ہے۔ جہاں تک اخراجات واقع ہوتا ہے وہاں تک شک اور دہم بڑھتا ہے۔ ایمان اور یقین ٹوٹ جاتے ہیں۔

یاد رکھئے روحانیت اور دیگر تمام مخفی علوم میں بشمول یسوعی یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر ارادے اور ہر عمل کے ساتھ یقین کی روشنیوں بھی کام کرتی ہیں۔ اگر یقین کی ان روشنیوں کو الگ کر دیا جائے تو ہر عمل اور ہر حرکت لامبھی ہو کر رہ جائے گی۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب تک ارادے میں یقین کی روشنیوں شامل نہ ہوں اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ماہرین روحانیت یقین کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

”یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو“

ارادہ یا یقین کی کمزوری دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ جب تک خیالات میں تذبذب ہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔ مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں۔ کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیوں حاصل کر کے ہی ظاہر بنتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے جو مشقیں قوت ارادی کو تقویت پہنچانے کے لئے مرتب کی ہیں ان سب کا منشاء دراصل یقین کو بخت کرنا ہوتا ہے۔

پھوٹ ہونا ہے۔ یہ محض اتفاقیہ امر ہے کہ دائمی غلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو۔ جس کی وجہ سے وہ شک سے محفوظ رہتا ہے لیکن جس قدر شک اور بے یقینی و مبالغہ میں کم ہوں گی اسی مناسبت سے آدمی کی زندگی کا یہاب گزرے گی۔ اور جس مناسبت سے بے یقینی اور شک زیادہ ہوگا، زندگی نا کامیوں میں بسر ہوگی۔

آدمی کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علوم کو خود ساختہ اور غلط بنیادوں پر پرکھا اور ان سے انکاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر علم کی بنیاد روشنی کو قرار دیا ہے۔ یہ بات قرآن پاک کی آیتوں میں ٹھنکر کرنے سے بھری آئی ہے، رسم پھیلے صفحات میں یہ بتا چکے ہیں کہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں، آدمی کو چاہئے یہ سمجھنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنیوں کی قسمیں اور روشنیوں کا طرز عمل معلوم کرنا لیکن اس نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی اور یہ چیز ہمیشہ پردے میں رہی۔ آدمی نے اس پردے میں جھانکنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ اس کے سامنے روشنیوں کا کوئی پردہ موجود ہی نہیں تھا یا اس نے روشنیوں کے پردے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی۔ وہ یہ قاعدے معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو جو روشنیوں کے خلاف ملامت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرنا تو اس کے دائمی غلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا اور شک کو لے آتا زیادہ پریشان نہ کرتے جتنا کہ اب اسے پریشان کئے ہوئے ہیں۔ اس کی تحسیر کات میں جو عملی رکاوٹیں واقع ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہوتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے روشنیوں کی قسمیں معلوم نہیں کیں نہ روشنیوں کی طبیعت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیوں بھی طبیعت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی موجود ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں

از نکاح توجیب | شک اور یقین کا درمیانی فاصلہ تین سال پر مشتمل ہے اور ہر فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو خود چل کر دیتا ہے "لاریب ہے یہ کتاب اور اس کو ہدایت دیتی ہے جس کا یقین غیب پر ہے۔" یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں کہی ہیں۔ "لاریب" کہہ کر ریب یعنی شک کی نفی کر دی، اب صرف غیب بانی رہ گیا جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ صرف یقین کو اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی کے ذہن میں داخل ہو جائے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے جو ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کا نشانہ بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ کوئی چیز کسی آدمی نے خواہ نہ دیکھی ہو، نہ سمجھی ہو، نہ جانی ہو، نہ پہچانی ہو مگر اس پر یقین حاصل ہو۔ یہاں ہدایت کی ایک کائنات بن جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ آنکھوں کے سامنے سے آدمی کے چاڑوں طرف سے اُسے محیط کر لیتا ہے۔

سلسلہ از نکاح توجہ اور شوق سے کسی ایک لفظ پر خیالات کی روشنیوں اس حد تک مرکوز رہیں کہ شک اور بے یقینی یقین کی روشنیوں کا درجہ حاصل کر لیں تو خیال اور ارادہ کے تحت اس کا منظر بننا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت غوث علی شاہؒ کے واقعہ میں از نکاح توجہ سے یقین کا کلی منظر ابھر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔

ایک نامی گریہ ناک جس کا بیٹی جب پندرہ سولہ کے سن کو پہنچی تو اس کے ساتھ جمعرات کی رات کو عجیب واقعہ ہوا۔ وہ سو کر اٹھی تو اس کے ہاتھ ہنڈی سے رنگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی سورج نصف النہار کو پہنچا اس پر اچانک بے ہوشی کا دورہ پڑا

اور اس کے بعد سے ہر جمعرات کو وہ وقت مقررہ پر بے ہوش ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے ہسپتال کا علاج کیا لیکن جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو عامل حضرات کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ لڑکی کے اوپر جن یا آسیب کا اثر ہے۔ تو وہ گنڈوں، جھبھڑ چھونک اور نیلتے جلانے سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو حاذق حکیموں سے رجوع کیا گیا اور مسلسل چار سال تک علاج ہوتا رہا۔ پھر یہ ہونے لگا کہ جس روز لڑکی پر ہوشی کا دورہ پڑتا اس روز وہ بہت خوش اور مسرور نظر آتی۔ نیند سے بیدار ہو کر غسل کرتی، ریشمی جوڑا زیب تن کرتی، خوب بناؤ سنگھار کرتی، آنکھوں میں کاجل لگاتی اور چہرے پر فائزہ ملتی۔ اس کے پاس سے بھینٹا یعنی خوشبو چھوٹی رہتی اور سن ایسا نکھر آتا جو کسی نئی تولی دہن کے چہرے پر جھا اور اسودگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ جب کوئی اس اہتمام کا سبب پوچھتا تو جیسا کہ ایک سرحنی اس کے چہرے پر دیکھ جاتی اور وہ زریب صرف اتنا بتاتی "وہ آرہے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔" سنگھار کے بعد وہ اپنے کمرے میں جاتی اور کمرے میں ہر چیز فریضے سے جاکر بستر پر بیٹھ جاتی جیسے کسی کے انتظار میں ہو۔ ٹھیک سورج کے زوال کے وقت اس پر بے خودی کا دورہ پڑتا جو رات گئے تک جاری رہتا۔

ڈاکٹروں اور حکیموں کا ایک بورڈ بھیجا اور سب نے متفقہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کی شادی کر دی جائے تو ہسپتال کے دو سے ختم ہو جائیں گے۔ لڑکی کو جب معلوم ہوا تو اس نے شدید مخالفت کی۔ لیکن ماں نے اس کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور خاندان کے ایک صحت مند نوجوان سے شادی کر دی گئی۔ شادی کے دوسرے ہی روز لڑکی نے اپنے شوہر کو سخت دُست کہہ کر اپنے کمرے سے باہر نکال دیا۔ اور ساتھ ہی

پڑا اور رات گئے حالت سنبھلی۔

تاجر کو لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود شادی نہیں کی ہے۔ جب کوئی ان سے شادی کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ عموماً تال جاتے ہیں۔ جب زیادہ اصرار ہوتا ہے تو کہتے ہیں میری شادی ہو چکی ہے۔ اور کمرہ میں لٹکے ہوئے ایک نوٹوں کی جانب اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ تصویر جو آپ دیکھ رہے ہیں میری بیوی کی تصویر ہے۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ بدھ اور جمعرات کو حکیم صاحب اپنے دوسرے کمرے میں اندر سے دروازہ بند کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اور ان دونوں میں وہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ یہ بات اب ان کا معمول بن گئی ہے۔

قصہ کو تاہ، تیسرے دن جمعہ کو تاجر صبح سویرے ہی قطار میں جا بیٹھا تاکہ جلدی جلدی باری آجائے۔ گھڑی نے آٹھ بجائے، پھر نو بجے لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اب لوگوں نے دروازہ پینٹا شروع کر دیا۔ لیکن کمرے کے اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس طرح انتظار کرتے کرتے شام ہو گئی۔ لیکن دروازہ نہ کھلتا تھا، نہ کھلا۔ یہ دیکھ کر حکیم صاحب کے گاؤں کے معزز لوگ جمع ہو گئے۔ ہر شخص پریشان تھا کیوں کہ آٹھ سال میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ حکیم صاحب جمعہ کے دن بھی کمرہ بند کر کے عبادت کریں۔ جمعہ کے روز تو وہ نماز جمعہ باجماعت ادا کرنے کا فاعل اہتمام کرتے تھے۔ جب شام تک دروازہ نہ کھلا تو گاؤں والوں کو یقین ہو گیا کہ حکیم صاحب کمرے میں کسی حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں۔ آخر دروازہ توڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ شاید وہ عبادت میں مصروف ہوں ایک دن مزید انتظار کیا گیا۔ لوگ ہفتہ کے دن تالا توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ کمرہ خالی ہے۔ اور کمرے کا قہقی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کمرے کا سامان جوں کا توں موجود

یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ اس کے پاس آنے کی جرأت کی تو وہ اس کا "راز" افاش کر دیگی اور وہ خاندان میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ بڑے بوڑھوں نے صلح مسافانہ کی کوشش کی اور جب مسئلے کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تو عزت بچانے کی خاطر عدالت سے رجوع کرنا چاہا لیکن لڑکے نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور بیوی کو طلاق دے دی۔ دونوں خاندانوں میں لڑائی جھگڑے کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب خاندان کے بڑے بوڑھے اکٹھے ہوئے اور لڑکے کو بلایا گیا تو اس نے کہا: "سچ بات یہ ہے کہ اس کے سامنے جاتے ہی میری ساری طاقت سلب ہو جاتی ہے۔" لڑکے کے بیان کو سب نے غلط جانا اور اس پر لعن طعن کرنے لگے۔ اور بالآخر اس نے دوسرے دن خودکشی کر لی۔ تاجر نے بہت کوشش کی کہ بیٹی کی دوسری شادی ہو جائے مگر جب کسی طرح بھی کامیابی نہیں ہوئی تو دوبارہ علان کی طرف متوجہ ہوا۔ کسی دوست نے ایک حکیم صاحب کا تذکرہ کیا جو کئی سو سال کے فاصلے پر کسی گاؤں میں مقیم تھے۔ خدا نے ان کے ہاتھ میں اتنی شفا دی تھی کہ دور دراز سے لوگ آتے تھے اور شفا یاب ہو کر جاتے تھے۔ وہ کسی سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتے تھے۔

پروردگار یہ بنا کہ جمعہ کے دن مریض کو ساتھ لے کر روانہ ہوں اور چار روز کے اندر مذکورہ گاؤں پہنچ جائیں تاکہ جمعرات کو بے ہوشی کا دورہ حکیم صاحب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اس طرح مریض کی تشخیص میں آسانی ہوگی۔

گاؤں پہنچے تو حکیم صاحب کے مطلب کے سامنے مریضوں کا ہجوم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا آج اور کل حکیم صاحب کمرے میں بند ہو کر عبادت کرتے ہیں اور وہ پرسوں جمعہ کے روز ملاقات کریں گے۔ دوسرے دن لڑکی کے اہل عمل کے مطابق دورہ

طریقہ صحیح کا پہلا سبق

حضرت غوث علی شاہؒ اور بزرگوں سے سنے ہوئے واقعات پر تصکر کرنے سے ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ خیالات منتقل کرنے کے لئے مسلسل کسی ایک نقطہ پر توجہ کام کو نہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر ذہنی یکسوئی حاصل نہ ہو تو توجہ کسی ایک نقطہ پر قائم نہیں رہتی۔ یہی سبب ہے کہ ہماری ذہن ہزاروں لاکھوں خیالات سے بجات حاصل کر کے صرف ایک خیال کو اپنا ہدف بنا لے۔ اور ایک سو ہو جائے۔ ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل عمل متقین کیا جاتا ہے۔

صبح سویر جاگنے سے قبل اور رات کو سوتے وقت آلتی پالتی مار کر شمال رخ منہ کر کے بیٹھ جائیں۔

- ۱۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے دائیں نختے کو اوپر کی طرف سے بند کر لیں۔
- ۲۔ بائیں نختے سے پانچ سینکڑ تک سانس اندر کھینچیں۔
- ۳۔ داہنے نختے پر سے انگوٹھا ہٹائیں اور دائیں چھٹنگی سے بائیں طرف کے نختے کو بند کر لیں۔

۴۔ پانچ سینکڑ تک سانس کو روک لیں۔

۵۔ داہنے نختے سے سانس کو پانچ سینکڑ تک باہر نکالیں۔

۶۔ دوبارہ داہنے ہی نختے سے سانس پانچ سینکڑ تک اندر کھینچیں۔

تھا۔ البتہ ان کی بیگم کی تصویر نیچے چاندنی کے فرش پر پڑی تھی۔ جب اسے اٹھایا گیا تو نیچے سے ایک لفاظ نکلا جس پر تجسیر تھا کہ اس لفاظ کو ان صاحب کے سپرد کر دیا جائے جو صوبہ بہار سے اپنی لڑکی ساتھ لائے ہیں۔ تاہم نے جب یہ لفاظ چاک کیا تو اندر سے ایک خط برآمد ہوا جس پر لکھا ہوا تھا "میں نے آپ کی لڑکی کو جو جس کے دن طلاق دے دیا ہے۔ اب وہ کبھی بے ہوش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے آپ آج ہی پٹنہ لوٹ جائیں۔ یہاں کے قبا میں آپ کو پریشانی ہوگی۔ جانتے وقت اپنی صاحب زادی کی تصویر بھیج لیتے جائیں۔" تصویر دیکھی تو انہیں سخت حیرت ہوئی۔ یہ ان کی لڑکی کی تصویر تھی۔ گاؤں والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے سوال کرتا مگر جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ تاہم اپنی بیٹی کی تصویر اور بیٹی کو لے کر گھر لوٹ گئے۔ اس کے بعد ان کی بیٹی پر کبھی بے ہوشی کا دورہ نہیں پڑا۔

مٹھاس اور نمک

سوال ہے کہ مٹھاس کے ترک یا کمی سے انسان کے اندر کب تبدیلی پیدا ہوتی ہے؟

ہم تب چکے میں کہ انسان کے اندر ہمہ وقت دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ شعوری حواس بنا تا ہے۔ ایسے حواس جو TIME AND SPACE میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دوسرا دماغ انسان کا لاشعور ہے اور ایسے حواس بنا تا ہے جو نام اور اسپیس سے آزاد ہیں۔ مٹھاس کے اندر کام کرنے والی مقدار میں کشش ثقل پیدا کرتی ہیں اور نمک جن مقداروں سے مرکب ہے وہ مقدار میں لاشعوری حواس کو متحرک کرتی ہیں۔ تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ جو لوگ مٹھاس کی نسبت نمک زیادہ استعمال کرتے ہیں ان کے اندر لاشعوری تحریکات زیادہ سرگرم عمل رہتا ہیں۔

مجھے جب یہ قانون معلوم ہوا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ اس قانون پر عمل کر کے تجربہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے بھی جیسز میں کھانا بالکل چھوڑ دیں۔ دو تین ہفتے طبیعت کے اندر سخت اضمحلال واقع ہوتا رہا۔ چند ہفتوں کے بعد طبیعت عادی ہو گئی۔ اضمحلال تو کم ہو گیا لیکن طبیعت بے کیفیت رہنے لگی اور مزاج میں جیسر پڑا ہوا آ گیا۔ دو مہینے کے بعد پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ جسم لطیف اور ہلکا ہے۔ یہ بات واضح کر دینا ضروری

۷۔ اب چنگی ہٹا کر دوبارہ دانے انگوٹھے سے داہنا ہاتھنا حسب سابق بت دکھائیں اور سانس کو پانچ سیکنڈ تک روکے رکھیں۔ پھر بائیں ہاتھ سے سانس کو آہستہ آہستہ نکالیں۔

یہ ایک جکڑ ہوا۔ اسی طرح سے پانچ مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی مشق کرنے سے پہلے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ جسم میں کسی قسم کا تڑپ نہیں ہونا چاہیے۔ ریڑھ کی ہڈی اور گردن کو ایک سیدھ میں رکھیں۔ سانس کا عمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ریٹ خالی ہو۔ جس جگہ مشق کی جائے وہاں تازہ ہوا گزرتی رہے تاکہ پیپھریٹ سے کافی مقدار میں آکسیجن جذب کر سکیں۔ سردی کے زمانے میں عمل تنفس کے دوران کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں کھلی رکھیں۔ مٹی اور کھٹی چیزیں کم سے کم استعمال کریں۔ ایک ڈاکٹر کی من روزانہ پیش آنے والے واقعات لکھتے رہیں۔

شیشی پستی کا طالب علم اگر ہر وقت باطنور ہے اور اپنا زیادہ تر وقت تاریکی میں گزارے تو اثرات بہت جلد مرتب ہوتے ہیں۔

رات کا کھانا مغرب کے وقت آدھا پیٹ کھائیں۔ کھانے کے کم سے کم ڈھائی گھنٹے بعد (زیادہ وقفہ گزر جائے تو اور اچھا ہے) سونے سے پہلے پانچ مرتبہ مند جبلا ایک سوئی حاصل کرنے والا عمل کریں، پھر منکھیں بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ نور کا ایک دریا ہے۔ صاحب مشق اور ساری دنیا اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ تصور اندازہ سے آدھے گھنٹے تک قائم کریں۔ اگر اور ادھر ادھر کے خیالات آئیں تو اس کی پروا نہ کریں اور تری انہیں رد کرنے کی کوشش کریں۔ خیالات آتے رہیں گے اور ان خود گزرتے رہیں گے۔ آپ بنا عمل جاری رکھیں۔ اس مرحلے کے بعد کوئی دوسرا دنیاوی کام کریں اور اسی تصور میں سو جائیں۔

تار ملا کر میرے دوست کو اچھا لگا ہے لہذا۔ جب کہ میں سال کے عرصے میں اس عزیز دوست سے نہ کبھی ملاقات ہوئی اور نہ خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا تھا۔

پھر یہ خواب عام تصورات اور عام خیالات سے ہٹ کر اس طرح جلوہ افروز ہوئے کہ میں خود کو ہواؤں میں چھوڑ دیا دیکھنے لگا۔ اڑنے کی صورت یہ ہوتی تھی جیسے

ہوا میں پرندے اڑتے ہیں۔ لیکن پرندے پر دل کو اوپر نیچے کرتے ہیں اور میں پڑاؤ کے دوران ہاتھوں کو اونچا نیچا کرتا تھا۔ بعض اوقات اڑان اتنی اونچی ہو جاتی تھی

کہ اوپر سے نیچے دیکھنے سے دہشت اور خوف مسلط ہو جاتا تھا۔ پھر ان خوابوں نے ایک نیا روپ دھارا وہ یہ کہ دور دراز کی چیزیں خواب میں نظر آتیں اور

خواب میں قسم قسم کے لذیذ اور شیریں پھل کھانے کو ملنے اور جب میں بیدار ہوتا تو زبان پر ان پھلوں کا ذائقہ اور شیرینی کا احساس موجود ہوتا۔ چھ مہینے تک

مٹھاس استعمال نہیں کی گئی تو یہ کیفیت وارد ہوئی کہ کھلی آنکھوں سے دور دراز کی چیزیں سامنے آنے لگیں۔ مثلاً یہ کہ میرے ایک دوست سوئٹزر لینڈ میں مقیم تھے۔

بیٹھے بیٹھے مجھے ان کا خیال آ گیا اور میں نے دیکھا کہ میں سوئٹزر لینڈ میں اپنے دوست کے گھر میں موجود ہوں۔ اس کے گھر کا صحن، کمرے اور کمرے کے اندر آرائش کا سامان

میں نے اس طرح دیکھا جیسے ایک آدمی اپنے گھر کا ڈرائنگ روم دیکھتا ہے۔ دوست کے ساتھ گفتگو بھی ہوئی۔ میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا اور الوکھا تھا۔ میں نے اپنے

دوست کو ایک خط لکھا اور خیالی دنیا میں دیکھے ہوئے گھر کا ایک نقشہ بنایا۔ مہینے تین

کیں۔ نقشے میں کمروں کی تعداد، صحن کی پیمائش اور FRONT ELEVATION کی سمت لکھ کر یہ خط انہیں پوسٹ کر دیا۔ میرے دوست نے جہاں اس بات پر بہت

ہے کہ میں مٹھاس کے ترک کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر سیکھ ہونے کی مشق بھی کرتا رہا۔

مٹھاس کے ترک سے جب خون میں نمک کی مقدار کا اضافہ ہوا تو پہلی مرتبہ دیوار میں کاغذ کی بنی ہوئی نظر آئیں۔ اور زیادہ گہرائی پیدا ہوئی تو کائنات (SPACE)

ڈرٹے لگا۔ بے خیالی کے عالم میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ذہن نے کر ڈٹ بدلی اور یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ فرش اور چھت کا فاصلہ فی الواقع کوئی فاصلہ نہیں ہے۔

میں نے جب چھت کو چھونا چاہا تو چھت مجھ سے اتنے قریب آگئی کہ میں نے اُسے آسانی سے چھو لیا۔ یعنی چھت اور فرش کا درمیانی فاصلہ ختم ہو گیا۔ مٹھاس چھوٹے

ہوئے جب تین ماہ گزرے تو خوابوں کا ایک لائن ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایسے خواب جن کی تعبیر صبح بیدار ہونے کے بعد سامنے آجاتی تھی۔

میں نے دیکھا کہ میری بہن بیمار ہے اور سخت کرب کے عالم میں بے چین ہے۔ صبح بیدار ہونے کے بعد مجھے اس بات پر اس لئے تعجب ہوا کہ میں رات کو

بہن کے پاس سے آیا تھا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد اطلاع ملی کہ بہن کی طبیعت رات اچانک اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر نے

ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد خواب میں نظر آیا کہ میرے ایک عزیز دوست کا خط آیا ہے۔

ابھی خط میں کونے بھی نہ پایا تھا کہ میری نظر کسی ریلوے اسٹیشن پر پڑی جہاں لوگ اپنے عزیز واقربا کو خوش آمدید کہنے کے لئے جمع ہیں۔ ریل پلیٹ فارم پر آئی تو میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے میں کسی کو تلاش کرتا

پھر ہا ہوں اور اسی عالم میں میری آنکھ کھل گئی۔ اگلے روز صبح گیا رہ بجے مجھے ایک

گرفت کم سے کم ہو جائے۔

شیخی سستی کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے خیالات دوسرے آدمی کو بغیر کسی وسیلے کے منتقل کر دے۔ وسیلے سے ہماری مراد یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جو طبعاً فاصلہ اور وقت یعنی مکانت اور زمانیت واقع ہے وہ ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں خیالات روشنی ہیں، ایسی روشنی جو ٹائم اسپیس سے آزاد ہے کیوں کہ ہمیں اس کی عادت نہیں ہے کہ ہم بغیر وسیلے کے اپنی بات دوسروں تک پہنچائیں۔ اس لئے ہمیں یہ حسیتر حاصل کرنے کے لئے پہلے ذہنی نیکوئی کے ساتھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ مشقیں بہت سی ہیں۔ مثلاً شمع مینی، دائرہ مینی، لہجہ مینی، انگلیو مینی، سورج مینی، چاند مینی، آب مینی، آئینہ مینی وغیرہ۔

آئینہ مینی آئینہ مینی سے متعلق ایک واقعہ شاہانہ کے طور پر پیش قدمت ہے جو جمعہ ۱۴۔ اگست ۱۸۹۶ء کو انگلینڈ کے اخبار "ارتنگ لیڈر" میں چھپا۔ گزشتہ ماہ ڈیوڈ ٹھاس نامی ایک شخص کی لاش جو کہ لارڈ ڈنڈمرک جاگیر میں بحیثیت کارپنٹر کام کرتا تھا، کارڈف کے قریب، فرود رانی موضع کے پاس پائی گئی۔ کسی نے اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ تلاش کے باوجود تو قاتل کا کوئی سراغ مل سکا اور نہ ہی سبب قتل کا علم ہوا۔ تمام شہادتوں کی روش سے ڈیوڈ ایک خائن مہتمم آدمی تھا۔ اُسے سب ہی پسند کرتے تھے۔ اس کے گھریلو تعلقات بھی خوش گووار تھے۔ وہ کارڈنگ سائیکل کے ایک چھوٹے سے قصبے امیزان کا باشندہ تھا لیکن گزشتہ کئی سال سے گلورگن سائیکل میں رہا تھا۔ اس نے اسی جگہ ایک معزز خاتون سے شادی کی تھی۔

حیرت کا انا بار کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میرے گھر کا نقشہ یہ ہے اور وہ EASTOPEN ہے اور اس میں کتنے کمرے ہیں اور ان کمروں میں کس قسم کا فرنیچر ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے خط میں لکھی ہوئی ایک ایک بات کو گھر اور گھر میں آرائش کے سامان سے موازنہ کیا جو حرف بہ حرف صحیح نکلا۔ انہوں نے لکھا کہ واقعہ یہ ہے کہ اتنی زیادہ تفصیل میں بھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تھا چھوڑے ہوئے جب نو مہینے گزرے تو دماغ میں مخاطب کے خیالات منتقل ہونے لگے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں بڑا تھا وہ میں من و عن بیان کر دیتا تھا۔

میرے آبا جی مسجد سے ٹہر کر نماز پڑھ کر تشریف لائے۔ میں چونکہ سن آزادا کرنے کے لئے مسجد نہیں جاسکتا تھا، اس لئے انہوں نے مجھے بہت سخت سست کہا۔ میں نے عرض کیا آبا جی معاف کر دیں، آئندہ یہ کو نامی سرزد نہیں ہوگی۔ لیکن جب وہ مسلسل سرزنش کرتے رہے تو بچا یک خیال کی ایک ہر آن اور میں نے دیکھا کہ آبا جی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بحالت نماز گھر کی چھت کا حساب لگا رہے ہیں کہ اتنے پیسے شرننگ میں خرچ ہوں گے، اتنے لوہے میں لگیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے مؤذبانہ عرض کیا آبا جی ایسی نماز کا کیا فائدہ جس میں آدمی گھر کی چھت کا حساب لگاتا رہے۔ اس وقت مجھے بہت زیادہ ندامت ہوئی جب آبا جی نے فرمایا کہ واقعتاً میں نماز میں حساب لگاتا رہا ہوں۔

یہ چند سنت الیں اس بات کا تین ثبوت ہیں کہ مٹھاس کا ترک ٹائم اسپیس کی حد بند یوں کو توڑ دیتا ہے۔ ہم نے مشقوں کے دوران میٹھی چسیبندوں کے کم سے کم استعمال کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ خیالات کے اوپر سے ٹائم اسپیس کی

اسے تقریباً سوگڑ کے فاصلے سے گولی ماری گئی تھی۔ مگر وہ فوراً ہی نہیں مر گیا۔ بلکہ زخمت کے عالم میں کچھ دور تک دوڑا۔ اچلا گیا تھا۔ سڑک پر اتنی دور تک نون کی لیکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اس قتل اور قاتل کی شناخت کے سلسلے میں "کارڈف سائیکو لوجیکل سوسائٹی" کے اجانب سے آئینہ بینی کرنے والی ایک ۱۹ سالہ لڑکی نے آئینہ بینی کے ذریعے عجیب و غریب انکشافات کئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کو فیئر ڈائریج ہایا گیا۔ وہ اس سے قبل وہاں کبھی نہیں گئی تھی۔ وہاں جا کر اس نے سابقہ طریقے کے ذریعے قتل سے متعلق تمام تفصیلات بیان کر دیں۔

اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع اخبار "ویسٹرن سیل" والوں کو بھی ہوئی۔ لڑکی کے بیان کو مشکوک سمجھے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اخبار کے دو نمائندوں کی موجودگی میں اس تجربے کو دہرائے۔ لڑکی نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک رات اس تجربے میں حصہ لینے والے تمام افراد اس شراب خانے کے باہر جمع ہو گئے جہاں مقول ڈیوڈ تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا آخری جام پیا تھا۔ شراب خانے سے وہ آئینہ بینی لڑکی چل پڑی۔ اس کے ہمراہ ویسٹرن سیل کے نمائندے بھی تھے۔ وہ ناموشی سے حلقی رہی تھی کہ ایک جگہ وہ خود ہی بول اٹھی "میں اپنی نگاہوں کے سامنے ایک ہسپتال دیکھ رہی ہوں۔ اس کا مریض میری جانب ہے۔ ہسپتال نیا اور چمک دار ہے۔ اس ہسپتال کا دہانہ کشادہ نظر آ رہا ہے۔ اور نال میری جانب اٹھی ہوئی ہے۔" چالیس گز مزید آگے بڑھنے کے بعد لڑکی نے دوبارہ کہا "میں کسی کے قدموں کی چاپ سن رہی ہوں۔ مجھے ایک آدمی دکھائی دے رہا ہے۔"

چند ماہ قبل اسے لارڈ وڈنگسٹرک جاکر میں بڑھئی کی حیثیت سے ملازمت ملی تھی۔ اس نے وہ کارڈف سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں سینٹ ناکال میں مقیم تھا۔ اسے اس گاؤں میں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ہفتہ کی رات کو یہ ایونٹیشن آیا۔ حادثے کی رات اس نے اپنا کام وقت سے کچھ دیر پہلے ہی ختم کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے کیمپ کے آگے آگے ہوئی گھاس اور جھاڑ جھنکا لگا سکتے۔

سہ پہر کے وقت جب وہ کام سے بیزار ہو کر کیمپ میں گیا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ وہ بچوں کو باپتھریج کے لئے لے جائے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بیوی نے بھی جو کیمپ کے دوسرے حصے میں کام کر رہی تھی، اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ تاہم اسے آنا یاد رہا کہ اس کے شوہر نے اوپر جانے کے بعد ہاتھ منہ دھویا اور کپڑے بدلتے کے بعد بچوں کو ساتھ لے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر اس کی کسی دوست سے ملاقات ہوگئی اور دونوں ہلٹے ہوئے شراب خانے میں چلے گئے جہاں انہوں نے کچھ بیڑی اور پھر دس بجے شب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس وقت تھا مس بہت خوش تھا اور وہ تیزی سے چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سڑک کے ایک مسلمان مقام پر پہنچا۔ اسی لمحے ایک دوسرے راہ گیر نے ہسپتال چلنے کی آواز اور ایک دردناک چیخ سنی۔ اس راہ گیر کو گولی چلنے کے فوراً بعد ایک ایسا آدمی تیز تیز چلتا ہوا دکھائی دیا جس کے انداز سے پریشانی مترشح تھی۔

اس مقام سے دو سو گز آگے راہ گیر کو سڑک کے کنارے لاش پڑی دکھائی دی۔ جب اس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا تو معلوم ہوا کہ لاش ڈیوڈ تھا۔ اس کی ہے

مرتے ہوئے کسی جاندار کے سے انداز میں کراہتی ہوئی یوں ساکت ہو گئی جیسے مر چکی ہو۔

"لو دو دست، تم کون ہو؟" ایک نماز سے بے آواز بلند کیا۔

لڑکی نے بہت دبی آواز میں ایک ایک کر جواب دیا۔ "ڈیوڈ... ڈیوڈ... تھ... تھ... تھ..."

....تھ اس!

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔" لڑکی نے جواب دیا۔ لیکن اس کا لہجہ مردانہ تھا۔

"تہیں کس نے گولی ماری تھی؟"

لڑکی نے ایک نام بتایا جیسے اخباری نمائندوں نے نوٹ کر لیا۔

"اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو دو دست! ہم کیا کریں؟" سوال کیا گیا۔

آہستہ آہستہ لڑکی کے لب حرکت کر رہے تھے جیسے وہ انتہائی کرب کے عالم میں بولنے سے قاصر ہونے کے باوجود بولے بغیر ذرا کہتی ہو۔

"میں اپنا انتقام لوں گا۔"

"کس سے؟"

جس نے مجھے گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔"

اس گفتگو کے بعد لڑکی نے انہیں آگے قتل کے بارے میں بتایا۔ اس سہول کو

برآمد کر لیا گیا جس سے ایک سال قبل ڈیوڈ تھا اس کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اس دوران

لڑکی مردہ حالت میں (بظاہر، ٹیلی فون کے ایک کھمبے کے قریب بیٹھی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کی

حالت معمول پر آتی چلی گئی اور پھر سکا یک دم چلانے لگی۔ "دیکھو، دیکھو!" اس کا لہجہ انتہائی

خوف زدہ تھا۔ "خون دیکھو!"

"کہاں؟" نمائندوں نے سوال کیا۔

"بالکل ہمارے سامنے، وہ مرگ کے کنارے لگی ہوئی باڑھ کے ساتھ ریگ

رہا ہے۔ غالباً اس کو شش میں ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔"

"اس کا حلیہ کیا ہے اور اس نے کیسے پکڑے پن رکھے ہیں؟"

آئینہ میں لڑکی جس پر اس وقت جذب کی سی کیفیت طاری تھی تیزی سے بولنے لگی

اور اچانک اس کے قدموں میں بھی تیزی آگئی۔ اس کے ہمراہ چلنے والے نمائندوں نے

اسے بائوں سے پکڑ کر ہٹا دیا۔ وہ رکھا تھا۔ اچانک لڑکی نے ایک جھٹکے سے ایک

سایہ کو اٹھکھیل دیا۔ اس نے جس خرابی شہید کو دیکھا تھا اب وہ اس کے تعاقب

میں تھی۔ لڑکی کے صحن سے ایک درخشندہ شہینہ نکلے۔ ایک اخباری نمائندے نے پک

کر اسے ہٹا دیا۔ ورنہ وہ سڑک کے بل زمین پر لڑجاتی۔ یہ واقعہ عین اس جگہ پیش آیا

جہاں ڈیوڈ تھا اس کو جسی بولی گئی تھی۔

لڑکی کے صحن سے کراہنے کی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ اپنے بازو ٹول کو بڑے

کرب کے عالم میں موڑ کر پشت کی جانب لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اخباری نمائندے

نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کتھول کے نیچے کسی مقام تک پہنچنے کے لئے بے تاب ہیں۔ انہوں

نے اس کو مضبوطی سے سہارا دیا اور وہ لڑکھرائی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

لڑکی کی حالت لمحہ بہ لمحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور

صوت پتیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ قریب المرگ ہو۔

"اسے چھوڑ دو۔" ایک اخباری نمائندے نے کہا اور لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔

وہ کراہتی ہوئی زمین پر آ رہی۔ اس کے کراہنے سے انتہائی کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ اور وہ

”کہاں؟“

”یہاں دیکھو! لڑکی چلائی۔ خون، خون کے قطرے“

اخباری نمائندوں نے غور دیکھا لیکن نیسہ مرنے کے قطرے انہیں نظر نہیں آئے۔
”مجھے یہاں سے دور لے چلو! لڑکی نے اپنے بوسے وجود سے کانپتے ہوئے کہا۔

اور پھر یکایک اس کا جسم اڑا گیا۔ اس نے کہا: ”وہ ادھر ہے۔“ ایک مرتبہ پھر لڑکی کے
بچے پر شدید نفرت کا غلبہ ہوا۔ اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ آنکھوں سے آہنی تارک مرنے
جھلک رہی تھی۔

”تم کیا دیکھ رہی ہو؟“

”بہنوت۔“ لڑکی نے جواب دیا۔

اس کے فریاد ہی اخباری نمائندوں کی ٹیم وہاں سے واپس آگئی۔ ان میں سے
ہر ایک اپنی اپنی جگہ خوف زدہ تھا اور ان کے چہرے بے پڑ گئے تھے۔

نظا ہر یہ واقعہ بہت پیچیدہ اور عقل کی حدود سے باہر ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔
آپ شکی پہنچتی کے اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ دماغ
نمبر دو جب متحرک ہو کر سامنے آجاتا ہے تو ایسی باتیں سامنے آنے لگتی ہیں جن کی عقل اس
نے تشریح نہیں کر پاتی کہ وہ ناممکن ہیں کیوں کہ بندروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ایسے مینی ہو
یا اور کسی قسم کی مشق جو دماغ کو خیالات کے جھوم سے نکال کر کسی ایک نقطہ پر مرکوز کرے
اس کے نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں کہ نظروں کے سامنے ایسے حالات و واقعات دور
کرنے لگتے ہیں جو ناممکن نظموں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی بات کو مختصراً اس طرح کہا
جاسکتا ہے کہ جب خیالات کا جھوم ٹوٹ کر صرف اور صرف ایک خیال بر مرکوز ہوجائے تو

انسان کے اندر چھٹی شخص اپنی فوری توانائیوں کے ساتھ متحرک ہوجاتی ہے۔

یہ ہم سب کا روزمرہ کا شاہدہ ہے کہ ہماری زندگی کا تار و پود دراصل مختلف انواع
خیالات پر قائم ہے اور نوعاً انسانی خیالات کے ان ہی چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر زندگی
گزارتی ہے۔

مثال:

ہمیں بھوک لگتی ہے۔ بھوک کیا ہے؟ جسمانی نشوونما قائم رکھنے کے لئے بھوک
طبیعت کا ایک تقاضہ ہے۔ یہ تقاضہ خیال بن کر ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے اور ہم
اس خیال کی طاقت کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کھانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی
پر تقاضے اسی قانون کا پابند ہے۔ زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو خیال سے
شروع ہو کر خیال پر ختم نہ ہوتا ہو۔ اعصاب جب مکان محسوس کرتے ہیں تو طبیعت
ہمیں خیال کے ذریعے اس بات سے مطلع کرتی ہے کہ ہمیں آرام کرنا چاہیے اور ہم ہوجاتے
ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

پینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا نام علم دین ہے۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر جب میں آنگن سے واپس کمرے میں آتی ہوں تو آسمان کی طرف دیکھتی ہوں۔ میرے سر کے عین اوپر ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو بہت خوب صورت ہے۔ اس کے ارد گرد بال ہیں۔ پیسے تو میں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں مگر پھر مطمئن ہو کر اس کی حمد و ثنائیں مشغول ہو جاتی ہوں۔

۱۰۔ جون : آج رات بھی نور کے دریا میں ڈوبنے کا تصور کرنے کرتے ہوگی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت باریک پٹی زمین اور آسمان کے درمیان نخل ہے اور یہ زمین سے آسمان کی طرف جانے کا راستہ ہے جو بہت نیا وادہ روشن ہے۔ میری نظریں اس روشن راستہ کو عبور کر کے جب آسمان میں داخل ہوئیں تو میں نے اللہ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تم اس راستے پر (نوری راستہ جو زمین و آسمان کے درمیان ہے) چلنا چاہتی ہو تو لوگوں کو شکیں اور ہمدردی کی ہدایت کرو"

۱۱۔ جون : مراقبہ نور کے درمیان لوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سامنے سے ایک کالی اسکرین ہٹا دی۔ شکاف کے اندر جب ہم نے قدم سے دیکھا تو مجھے عجیب عجیب سی چیزیں نظر آئیں۔ مثلاً ایک بہت بڑی میز، بہت خوبصورت اور بڑا سا پیالہ وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۔ جون : مراقبہ نور کے دوران لوں محسوس ہوا جیسے میری نظروں کے سامنے نور کا ایک عظیم اور لا محدود سمندر ہے جس میں ساری کائنات ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے ہی میں نے اپنے آپ کو اندر سے کھوکھلا پایا اور دیکھا کہ میں تو جسم کے نام پر محض ایک باریک سا ورق ہوں۔ جہاں چاہوں، جب چاہوں جا سکتی ہوں۔ لہذا اپنے استاد کے پاس فضا کے بیسٹ میں تیرتے ہوئے جانے کا سوچا۔ جہاں کے آتے ہی اپنے آپ کو اڑتا

کیفیت و واردات ہوائی

لاہور سے منیرہ فاطمہ لکھتی ہیں کہ میں بہت دنوں سے ٹیٹا مینٹی سیکھنے کی خواہشمند تھی۔ روحانی ڈائجسٹ میں ٹیٹا مینٹی کی سبلی مشق شروع ہوئی تو میرے دل کی مراد پوری ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر مشق شروع کر دی۔ مشق کے دوران جو کیفیات مرتب ہوئیں اور جو چیزیں سامنے آئیں ان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

۹۔ جون : نور کے سمت رہیں ڈوب جانے کی مشق کر رہی تھی کہ معلوم نہیں کس وقت نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ اللہ کا نور ہے جس کا رنگ مرکزی لائٹ (MERCURY LIGHT) کی طرح ہے۔ لیکن اس روشنی میں اتنی زیادہ چمک تھی کہ جب میں نے نظر بھر کر دیکھا تو میری آنکھیں چٹ رہی گئیں۔ اس کے بعد اس مقام کی زیارت کی جہاں شہسودوں کی رو میں رہتی ہیں۔

بخش کی نماز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کافی نسبتاً ٹوٹا ہوا ہے اور میں دروازہ کھڑکیاں بند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ بند نہیں ہوتی۔ اتنے میں ایک گوالا آتا ہے اور مجھے خاص طور سے دودھ دیتا ہے جو کہ بہت گاڑھا ہے۔ وہ مجھے یہ دودھ

مسکراہٹ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ چہرے پر بڑبڑاری آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس قدر رحمن و رحیم نظر آتا ہے کہ اس کے قہر و جلال کا تصور بہت کم ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس خاموش رہوں اور اپنے خدا کا تصور کرتی رہوں۔ میرے اندر سے آواز آتی ہے "میری بندگی! میں تیرے پاس ہوں، پر تو مجھ سے ابجا دور ہے۔"

فَرشے

سائیکھڑے جناب ممتاز علی لکھتے ہیں کہ پہلے سبق پر عمل کے نتیجے میں مرتب ہونے والی کیفیات پیش کر رہا ہوں۔

رات کو مشق کی اور مشق کے بعد مراقبہ کیا۔ دوران مراقبہ میں نے دیکھا کہ میرا پورا وجود خسرو بننے کی قاشوں کی طرح کھل گیا ہے اور کچھ لوگ جو خابرا فرشتے تھے یا کوئی اور مخلوق تھی، میرے جسم کے اندر سے سیاہ رنگ کے ساپنوں جیسی چیزیں نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔

۱۵-جون: نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کرنے میں سخت مزاحمت پیش آ رہی ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ مجھے جنات پریشان کر رہے ہیں۔ اور میرے اندر گھس کر بیٹھ گئے ہیں۔

۱۶-جون: نیمس غمزدگی کی حالت میں ایک مکان دیکھا جس کا رنگ برہنہ اور اس کے اندر ایک نوجوان اور خوب صورت عورت تھل رہی ہے بس ایک لمحہ کی جھلک تھی۔ اس کے بعد منظر نظروں سے غائب ہو گیا۔ دل میں خوشی کی ایک ہرا تھی کہ کچھ کا میاں ہو رہا ہوں۔ اب کیفیت یہ رہتی ہے کہ دن کے وقت جب

ہوا محسوس کرنے لگی اور سب رازخ خود بخود کراچی کی طرف ہو گیا۔

۱۵-جون: نور کے دریا میں عشق ہو گئی۔ ایک بڑی سی کتاب دیکھتی ہوں۔

کہول کر پڑھتی ہوں۔ اس میں فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ ہی ساتھ ادھر کی طرف پینٹنگز (PAINTINGS) بنی ہوئی ہیں یعنی ہر تصویر کے بائیں میں تفصیل درج ہے۔ ایک تصویر دیکھی جو نور کے سمندر کی عکاس ہے۔ نیلی شاعروں کا بہت بڑا سمندر ہے جو حد نظر تک پھیلا ہوا ہے۔ شاعروں کی اس قدر زیادتی ہے کہ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ سمندر بہت بڑی بڑی ہسروں اور گہرے بادلوں کی صورت میں موجود ہے۔ جب میں دوسرا درق ٹپٹپی ہوں تو ایک پینٹنگ ہے جس میں ایک نہایت ہی گہرے، ہلکے نیلے رنگ کا بہت بڑا سمندر ہے۔ اس کے نیچے ایک بہت باریک مگر نیلگوں سفید روشنی کا راستہ ہے۔ راستہ کے دائیں طرف ایک بہت بڑا درخت ہے۔ راستہ کے اختتام پر ایک نہایت ہی شفیق اور معصوم بزرگ کھڑے ہیں۔ ان کا بیاس مرکز کی لائٹ جیسا ہے۔ سمندر میں مرکزی روشنی اس قدر ہے کہ میں دوبارہ دیکھنے کی جرأت نہ کر سکی۔ مگر بہت کر کے دیکھا کہ وہ بزرگ راستے کے اختتام پر استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ ان پر ایک عجیب سی روشنی پڑ رہی ہے جو ان کے پیچھے دواریں سے آ رہی ہے۔ وہ اس دیوار کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سمندر جو کہ بہت ہی گہرے نیلے بادلوں اور مرکزی شاعروں کا مجموعہ ہے، اس راستے کو ڈبو دے گا۔ اور پھر لوں ان بزرگ کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ مگر اب نہیں ہے کیوں کہ سمندر صرف راستہ تک آتا ہے اور پھر واپس چلا جاتا ہے۔

میں نے جب سے یہ مشقیں شروع کی ہیں نہ جانے کیوں میرے چہرے پر ہنرت

تک، نور کی ایک نکیڑی نظر آئی جو ایک طرف سے باریک اور دوسری طرف سے موٹی تھی۔ اور وہ کسی پہاڑ کی طرف جاتی تھی۔

۱۸- جون: میں نے اپنے وجود کو ایک سرسبز علاقے میں پایا۔ اور میرے پاؤں کے قریب سے ایک بالی جو روشنی سے بھری ہوئی تھی، اہلہاتے کھیتوں اور باغات سے گزرتی ہوئی ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر گم ہو گئی۔

جب میں سانس کی شش کرنا ہوں تو نیت دک دیو کی آدھکتی ہے جو بار بار اصرار کرتی ہے کہ میں اس کی آغوش میں چلا آؤں۔ مگر جب میں آدھکتے کے بعد "تصور نور" میں لیٹ جاتا ہوں تو نیت دکی وہ پیاری دیوی نہیں معلوم کہاں گم ہو جاتی ہے۔

تور میں ڈوبی ہوئی کائنات

کراچی سے رضیہ سلطانہ نے ۲۰- جولائی سے ۲۷- جولائی تک کی رپورٹ لکھی ہے:

آج سے نور کے سمندر میں عسقری ہونے کی شش شروع کی۔ عشا کی نماز کے بعد رات گیارہ بجے تصور کیا کہ ساری کائنات تور میں ڈوبی ہوئی ہے اور میں بھی نور کے سمندر میں ہوں۔ شش شروع کرنے سے قبل پچاس مرتبہ درود شریف اور تومرتبہ یا سحی یا قیوہ کا ورد کیا۔ تصور تقریباً پندرہ منٹ کا لیکن تصور قائم نہ ہو سکا۔ اور چونکہ کافی خشکی ہوئی تھی اس لئے پندرہ منٹ بعد سو گئی۔

۲۴- جولائی: آج میں نے تقریباً بیس منٹ شش کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا

آنکھیں بند کرتا ہوں تو اپنے آپ کو سمندر میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ جسم میں طاقت اور جھپٹی اور پھر پور قوت ارادی محسوس کر رہا ہوں۔

۱۸- جون: خواب میں خود کو ایک سبز رنگ کی دنیا میں دیکھا جہاں کی ہر چیز مکانات، باغات، مرد اور عورتیں غرض کہ اس دنیا کی ہر چیز سبز ہے۔

نیت دکی دیوی

نیاز احمد، شیخوپورہ۔

جب کسی ایک نختے سے سانس اندر کو کھینچتا ہوں تو بمشکل تین چار سیکنڈ تک کھینچ سکتا ہوں۔ پائیس نختے کی نسبت دائیں نختے سے سانس لینے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی، حالانکہ سانس باہر خارج کرنے میں پانچ سیکنڈ آسانی سے پورے کر لیتا ہوں اور جب سانس اندر روکتا ہوں تب بھی کوئی خلیفت نہیں ہوتی۔ میں آسانی سے ۳۰ سیکنڈ تک سانس روک سکتا ہوں لیکن دوران شش پانچ سیکنڈ تک ہی سانس روکتا ہوں۔

"تصور نور" کی شش مکان کی چھت پر چار پائی پر بیٹھ کر کرتا ہوں۔ پہلے دو تین روز تک تو نور کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکا۔ طرح طرح کے خیالات تنگ کرتے رہے مگر اب خیالات کی شدت میں کمی آگئی ہے۔

۱۴- جون: شش شروع کی۔ حسب معمول خیالات کی فوج ظفر موزح نے یلغار کر دی۔ میں نے کسی خیال کو نہ تو روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی روکیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کوئی بھی خیال جو آتا، فوراً گزر جاتا۔ پھر چند سیکنڈ، غابا آدو سیکنڈ

گویا کہیں کہیں سے روشنی کی کرنیں آرہی ہیں۔ کرنیں آنکھ کے دائیں اور بائیں گوشے سے آتی ہوئی محسوس ہوں گی لیکن کسی واضح شکل میں سامنے نہیں آئیں بلکہ تیزی سے حرکت میں رہیں جیسے کوئی شعاع منعکس ہو۔

۲۔ جولائی: دورانِ مشق یوں محسوس ہوا گویا ہلکے سفید رنگ کے کچھ دھبے سے ہیں۔ یہ دھبے ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ کافی مختصر عرصہ کے لئے ننگا ہوں کے سامنے رہے اور پھر فائز ہو گئے۔

تیسری آنکھ

فادوق مصطفیٰ، بھاؤل پور۔

۳۔ اگست: مراقبہ نور کی مشق شروع کرنے کے نحوڑی دیر بعد دریا کا تصور کچھ قائم ہوا۔ مراقبہ ہوتے وقت میرا رخ شمال کی طرف تھا مگر دریا کا تصور مشرق سے مغرب کی طرف قائم ہوا۔ دیکھا کہ ایک نور کا دریا ہے۔ سفید رنگ نورانی روشنی میں الٹی سی پہلاہٹ ہے۔ سامنے زمین سے بہت دور ایک کنارہ ہے، دوسرا کنارہ بھی زمین سے بہت دور ہے۔ زمین وسط میں سے ڈوبلی ہوئی ہے۔ دائیں طرف بہت دور سے دریا آ رہا ہے اور بائیں طرف لو کہیں دور جا رہا ہے۔

نقوت قائم ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے چہرے پر سفید روشنی بڑھ رہی ہو۔ مشق کے شروع میں خوب محسوس ہوا تھا۔ لیکن پھر نورانی قسم ہو گیا۔

۱۱۔ اگست: ایک طویل راہ داری نظر آئی جس کی دوسری طرف سرسبز درخت روشنی میں نمایاں ہوئے موجود تھے۔ روشنی بعض اوقات سفید خوب لائٹ جیسی نظر آتی ہے

اور بعض اوقات دھوپ جیسی محسوس ہوتی ہے۔

۱۴۔ اگست: مشق شروع کرنے کے کچھ دیر بعد جب تصور نور میں ڈوبا ہوا تھا، ایک دم آنکھوں کے سامنے روشن چمکیلی سفید لہرائی اور محدود ہو گئی۔ اور اسے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

۱۵۔ اگست: ایک موم جی نظر آئی۔ شعلہ سبز رنگ کا تھا اور شعلے کی درمیانی جگہ سیاہ تھی۔ پھر کئی موم بتیاں نظر آئیں۔

۱۷۔ اگست: مشق شروع کرتے ہی نور کے لامحدود دریا میں ڈوب گیا اور اس کے ساتھ ہی میرے اوپر غنودگی سی چھا گئی۔ ہنسین معلوم غنودگی میں کیا کیا نظر آیا۔ نحوڑی دیر بعد تیند کا جھکا لگا اور میدان ہو گیا۔ پھر تصور قائم ہوتے ہی غنودگی میں چلا گیا۔ کافی دیر تک یہ جگہ چلتا رہا۔ جھٹکے لگتے رہے اور غنودگی چھاتی رہی۔

۲۲۔ اگست: اب کیفیت یہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی وقت جس چیز کا تصور کرتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چیز میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

۱۷۔ ستمبر: حسب معمول شمال کی طرف منہ کر کے مشق شروع کی۔ لیکن نور خیال آیا کہ مغرب کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ یوں لگا جیسے میرا جسم مغرب کی جانب گھوم رہا ہے۔ یہ خیال اتنا طاقوتور تھا کہ میں واقعاً مغرب کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد ذہن پرسکون ہو گیا۔ جسم کے مختلف حصوں میں سوسائٹل جمع ہو رہی ہیں۔ پھر یوں لگا جیسے سینہ اور پیٹ کے درمیان ایک ایسا سا شگاف پڑ گیا ہے اور اوپر والا حصہ لباس کی طرح جسم سے اترنا چاہتا ہے۔

۲۳۔ ستمبر: آج مراقبہ شروع کرنے کے نحوڑی ہی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ

میری پیشانی کے عین درمیان میں ایک آنکھ موجود ہے اور یہ آنکھ اس نور کو دیکھ رہی ہے جس نور کے اندر میں خود اور زمین ڈوبی ہوئی ہے۔ سوئیاں چھینے کا احساس آج بھی ہوتا رہا۔

دعا قبول ہوئی

محمد جہانگیر تبسم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۱۳۔ ستمبر: مراجعہ میں دیکھا کہ میں نور کے دریا میں غوطے کھا رہا ہوں، معرفت سراہر ہے۔ اسی دوران کسی غیبی آواز نے مجھے مبارک باد دی۔ شوق کے دوران میں نے سر میں بیماری بن محسوس کیا۔

۱۴۔ ستمبر: سر میں بائیں طرف کسی لہرنے مرنے کے ہوئے میرے دماغ میں پلپلپ جھادی اور میں نے اپنی آنکھوں سے سفید روشنی کی لہریں نکلتی ہوئی محسوس کیں۔

۱۶۔ ستمبر: دیکھا کہ میرے چاروں طرف نور ہی نور ہے اور ساتھ بہت ادنیٰ مینار ہے۔ میں دریا سے نور میں غوطے کھانا ہوا مینار تک پہنچا۔ اس کے بعد تصور ٹوٹ گیا۔ سر میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہوا۔ اور میرے دماغ میں سے روشنی کی لہریں نکلتے لگیں۔

۲۰۔ ستمبر: رات دس بجے نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کے دوران دیکھا کہ میں نور کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی میرے ساتھ ڈوبے ہوئے ہیں۔ اچانک میرے دماغ میں بانج کا تصور ابھرا اور دیکھا کہ بانج کے اندر بہت سے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میز پر ہر طرح کے کھانے لگے ہوئے ہیں۔ ایک پلیٹ میں سبز قسم کی کوئی چیز رکھی ہوئی ہے اور باقی پلیٹوں میں نسیم نسیم کے کھانے ہیں۔ بزرگ

ان کو دوسری چھوٹی پلیٹوں میں ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اچانک کوئی چیز میرے سامنے آگئی۔ وہ چیز اتنی روشن تھی کہ اس کی چمک سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔

۲۱۔ ستمبر: آج رات تصور کے دوران میں نے دیکھا کہ میں ایک بانج میں ہوں اچانک ایک آواز آئی "اے میرے بندے!" میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک جگہ بہت زیادہ روشنی تھی۔ پھر دوسری آواز آئی "اے میرے بندے! ہم تو بڑی سنی سنی کا بھی بہت بڑا جردیتے ہیں۔ مراقبہ کرو اور اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھو!" اس کے بعد میں نے دُعا کی "یا اللہ! مجھے سنی سنی میں کامیابی عطا فرما!" اور یہ دُعا قبول کر لی گئی۔

ڈوب ڈوب کر ابھرتا

راولپنڈی سے عقیل احمد لکھتے ہیں:-

آپ کی ہدایت کے مطابق ٹیبلٹ پیچھے کی مشقیں شروع کیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۸۔ جون: آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرنا شروع کیا کہ نور کا ایک دریا ہے جس میں ساری کائنات اور میں خود ڈوبا ہوا ہوں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر وہ خواہوشی نہیں ہوتی۔ کیس سے نکلنے چلنے کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے تو کہیں سے ریڈیو پر مسلسل گانے نشر ہوتے ہیں جو ارتکاز توجہ میں خلل ڈالتے ہیں۔ بہر حال، معمولی دیر بعد نور کا تصور قائم ہونا شروع ہو گیا۔ دورانِ مشق جس چیز کا بھی خیال آیا وہ کبھی مکمل اور کبھی نامکمل طور پر نور میں ڈوبی ہوئی دکھائی دی۔ نور کا مکمل تصور قائم نہ ہو سکا۔

۲۳- جون : نور کا تصور قائم ہوا اور میں اپنے آپ میں سے نکل کر کھلی فضا میں چلا گیا۔ میں نے نور کے دریا میں غوطے لگانا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ محسوس ہونے لگا جیسے میں بھی نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور نور میں ڈھل کر نور بن گیا ہوں۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ اب کام کرنے کو بہت جی پامنا ہے جب کہ پہلے یہ حال تھا کہ ہر کام کو نہ کرنے اور نہ لانے کے بہانے سوچتا رہتا تھا۔ لیکن اب طرزِ فکریہ بگڑی ہے کہ جب کام کرنا ہے تو کر ہی ڈالو۔

۲۴- جون : سونے کے نئے جب بستر پر لیٹا اور آنکھیں بند کیں تو یوں محسوس ہوا جیسے میں نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا بستر پر لیٹا ہوں۔ رات کو تیند سے بیدار ہوا تو آنکھوں میں بد قسم بد قسم سیا روشنی دکھائی دی۔ آنکھیں کھولیں تو یہ روشنی غائب ہو گئی۔ اب تیند بہت بگڑی آتی ہے۔

۱- ستمبر : آج نور کا تصور زیادہ واضح طور پر قائم ہوا۔ میں نور کے دریا کے اوپر پرواز کرتا رہا۔ نور میں غوطے لگاتا رہا۔ چلتا پھرتا رہا اور ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ میں نے اپنے آپ کو ان گنت جسموں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔

جنت کا باغ

محمد صمد رتانی، شیخوپورہ لکھتے ہیں :-

۲۹- اکتوبر : صبح فجر کی نماز کے بعد بیٹھنا جیسی کہ پہلی مشق کا آغاز کیا مختلف بیانات دل میں آتے رہے۔ پھر دیکھا کہ ایک دریا ہے جس کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پھر ایک سمندر نظر آیا جس کی اہر میں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوئی کنا سے کی جانب بڑھ

رہی تھیں۔ مجھے خیال آیا یہ تو پانی کا دریا ہے، لیکن مجھے تو نور کے دریا کی تلاش ہے۔ یہ خیال آتے ہی ایک باغ سامنے آ گیا۔ اس میں ایک نہر جاری تھی۔ جس کا پانی شیشے کی مانند چمک رہا تھا۔ میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ یہ پانی نہیں، ریت اور پاؤڈر کی طرح کوئی چمک دار چیز ہے۔ پھر کئی خوبصورت مناظر کسی علم کی طرح نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔

۳۰- اکتوبر : نماز فجر کے بعد مراقبہ شروع کیا۔ کل کی طرح تھکیاں اور دریا سامنے آ گئے۔ ان پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ سمندر کا پانی بھی دھند کی طرح سفید تھا۔ اور بادلوں کی طرح ادھر ادھر اڑ رہا تھا۔ سماں بہت سہانا تھا۔ میں نے اس سمندر میں غوطے لگانے کی کوشش کی لیکن کاہل نہیں ہو سکا۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے تو یہ تصور قائم کرنا ہے کہ ساری دنیا اور میں خود نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور پھر میں نور کی تلاش میں نکل پڑا۔ دریا اور سمندر دھند کی شکل میں سامنے آتے رہے۔ رات کے مراقبے میں دیکھا کہ ایک پہاڑ ہے جس پر میں کھڑا ہوں۔ نیچے جھانکا تو کہیں سے سفید رنگ کی روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا تو سفید اور نیلے رنگ کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چاہا کہ اس میں غوطے لگاؤں۔ قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو اُبلتے ہوئے پانی کا چشمہ ہے۔ وہاں میں ایک ایسی واہی میں پہنچ گیا جس کے مکانات سیاہ اور سنہرے پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ مکانات بہت اونچے تھے اور چاند کی روشنی کچھ ایسا سماں پیدا کر رہی تھی کہ مجھے پرستان کا گمان ہونے لگا۔ پھر میں نے ایک دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک نہر ہے جس میں پانی کی بجائے نور ہی نور ہے۔ اس طرح میں نے تین چار دروازے کھولے اور دروازے کے اندر ایک نہر دیکھی جس کا پانی سفید

چاند کا مشاہدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ زمین گول ہے اور چاند کی سطح پر رخا اور ٹیلے ہیں۔ پھر میں ایک ستیادہ پر اتر گیا۔ پتہ چلا کہ یہ مریخ ہے۔ وہاں سے ایک کرسی پر بیٹھ کر اوپر اٹھنے لگا اور سورج کے بہت قریب پہنچ گیا۔ سورج میرے سر پر تھا اور ایک لکڑی کی نظام میرے سامنے اچانک میرے ذہن میں سوال اُبھر آیا کہ سورج کے نزدیک ہوتے ہوئے سورج کی تپش مجھے کیوں محسوس نہیں ہو رہی؟ جو اب ہلاک تم نور کے ایسے حلقے میں ہر جہاں سورج کی تپش اثر انداز نہیں ہوتی۔

آواز خیالات کے دوش پر

امداد علی ملک، آزاد کشمیر۔

۱۲۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا ایک شخص نصابے بیٹھ رہا ہے۔ اس کے خیالات میرے دماغ سے ٹکرانے لگے یعنی جو کچھ وہ سوچ رہا تھا میں اسے سنتے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی خوب صورت زمین ہے! مجھے آدھ گھنٹہ کے لئے اس پر سو جانا چاہئے۔ پھر وہ فوراً سو گیا اور آدھ گھنٹہ کے بعد بیدار ہوا۔ لیکن یہ آدھ گھنٹہ میرے لئے چند سیکنڈ کے برابر تھا۔ پھر دیکھا کہ میں نے اس شخص کے خیالات پر قابو پایا ہے۔ وہ جن وہی کام کرتا ہے جو میں سوچتا ہوں۔ میں اپنی توجہ اس کے دماغ پر مرکوز کر کے خیال کے عالم میں چنچا تو وہ پتہ پتہ چنچن مارنے لگا۔

۱۳۔ اکتوبر: دیکھا کہ دو شخص ایک لڑکی کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ ایک چاہتا ہے کہ وہ لڑکی کے ساتھ جائے۔ دوسرے کی بھی یہی خواہش ہے اور وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ پھر ٹھوڑی دیر بعد انکھول کے سامنے پانچ ستارے آگئے۔

اور سیلا تھا۔ رنگ بڑا چمک دار تھا۔ تب میں نے اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کیا کہ میں خود اور ساری دنیا نور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ساری دنیا اور خود کو بھی چاند کی چاندنی میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ پھر میں نے بلب کی روشنی کی طرح لہریں دیکھیں۔ یہ لہریں شمال سے جنوب کی طرف جا رہی تھیں۔

۲۱۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا کہ نور کا رنگ اس طرح کا تھا جیسے چاندنی میں سفورڈی سی نیلا ہٹ لٹی ہوئی ہو۔ یکایک میں ہوا میں ڈڑا اور ایک پہاڑی پر جا پہنچا۔ ایک غار میں کھڑے ہو کر اللہ کے گھر کی طرف دیکھا۔ وہاں نور ہی نور برس رہا تھا۔ میں اس غار میں سے نکل کر ایک پتھر پر جا بیٹھا۔ وہ پتھر مجھے لے کر ادا پڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمانوں کے اندر سے ہوتا ہوا کسی ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سفید دیواروں پر سیاہ رنگ کے حاشے بنے ہوئے تھے۔ ان سیاہ حاشیوں میں NEON SIGN کی طرح کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ ابھی میں یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ میرے نایا جان نے مجھے آواز دیا اور میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ گھڑی دیکھی تو آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

رات کو مراقبے میں شبلی دین کی طرح ایک اسکرین نظر آئی اور مختلف خیالات ذہن میں آتے رہے۔ پھر پیٹریوں اور وادیوں کی سیر کرتا ہوا ایک دروازے کے سامنے جا پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو خود کو ایک جنت نما باغ میں پامال ہوا چاروں طرف مرکزی لائٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر میں دروازے سے باہر آ گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

۵۔ نومبر: مراقبہ شروع کیا اور میں نے دیکھا کہ فضا میں اڑ رہا ہوں۔ اڑتے اڑتے ایک پہاڑی پر قیام کیا۔ وہاں سے اڑا تو خلا میں جا پہنچا۔ خلا میں سے زمین اور

خیمارے کی طرح بجلی کی سی تیزی سے دوڑنے لگا۔ میں نے قوت ارادی سے کام لیا اور
رکنے کی کوشش کی۔ تھوڑی بہت کامیابی ہوئی اور میں منسزل مقصود پر پہنچ گیا۔

۱۸۔ اکتوبر: دیکھا کہ میں مستدر میں تیر رہا ہوں۔ اور میرے جسم کی پشت کی
جانب ایک سفید اور چمک دار ہولنا موجود ہے جس کا فاصلہ تقریباً ایک فٹ ہے۔
میں نورانی زمین پر آنتی پالتی مارے بیٹھا ہوا ہوں۔ ایک لڑکا میرے پاس آیا اور میرے
سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نورانی زمین کو خراب کر رہے ہو۔ یہ سن کر وہ مجھ پر
بھینسنے لگا۔ اچانک اس کی نشتر کی جڑ سے نور ختم ہو گیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ گرنے کے
دوران اس نے کڑی کوجڑ کر چلنے کی طرح حرکت دینا شروع کر دیا۔ تب میں نے اُسے
وہاں سے نکالا اور وہ بھاگ گیا۔

ایک بات دیکھنے میں یہ آئی کہ نور میری مٹھی کے مطابق سامنے آتا ہے۔ اگر میں
ٹھوس نور کا خیال کرتا ہوں تو رت کی طرح ہوتا ہے اور اگر مائع نور دیکھنے کی مشق کرتا
ہوں تو پانی کی طرح نظر آتا ہے۔

۱۹۔ نومبر: سانس کی مشق کے دوران دماغ ہلکا محسوس ہوا۔ اور اچانک ایک
شخص کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی جس کو میں جانتا ہوں۔ مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی
کہ اس نوجوان کے خیالات آواز کی صورت میں مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔ میں نے سنا تو وہ
ایک لڑکی سے متعلق تھے۔

اگرچہ یہ بات ناممکن نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لڑکی پیٹی کی مشقوں کا وجہ
سے لوگوں کے خیالات مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایک بار ہمارے گھر کے نزدیک سانپ
نکل آیا اور لوگ اسے مارنے لگے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو کر سانپ کو پتھر مارنے

ستارے غائب ہوئے تو سانپ جیسی کوئی چیز آگئی۔ وہ بالکل سفید تھی۔ پھر دیکھا کہ کہیں
دور سے نارچ کی روشنی آرہی ہے جب قریب آئی تو دیکھا کہ نارچ میرے بھائی کے
ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے وہ نارچ میری طرف پھینکی اور میں نے پکڑ لی۔ پھر مجھے محسوس
ہوا کہ بھائی جان کئی سیسل دوڑیں پر سفر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے دو تین
نارچیں وہاں سے پھینکیں اور میں نے وہ نارچیں اپنے کمرے میں چار پائی پر رکھ لیں۔

۱۵۔ اکتوبر: تصور نوراً قائم ہو گیا۔ ایک چمک دار روشنی وقفے وقفے سے
نظر آتی رہی۔ کچھ وقفے کے بعد ایک عورت سامنے آگئی۔ پہلے اس کا چہرہ نظر آسکا
لیکن جب چہرہ دیکھا تو حیران ہو گیا، بڑی عجیبانگ شکل تھی اس کی۔ اور لمبے لمبے بال
ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے بعد دماغ میں روشنی کی تیز ہیریں جمع ہوتی رہیں اور
میں اپنا جسمانی توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا کہوں کہ میں اس وقت ہوا میں
اڑ رہا تھا۔ پھر دیکھا کہ دوبارہ چار پائی پر پہنچ گیا ہوں۔ دور سے کسی عورت کا چہرہ دکھائی
دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ وہ بحری جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ وہ کون
ہے۔ اچانک میرے دماغ کی سطح پر کچھ آوازیں پیدا ہوئیں۔ اس عورت کا تعلق
انڈونیشیا سے ہے اور یہ پچیس سال سے سفر کر رہی ہے۔ پھر سب آکٹھوں سے اندر
میں سامنے والی دیوار نظر آئی۔ وہ نور کی مٹی اور سامنے والی کمر کی بھی نور سے پُر دکھائی
دی۔ میں گھٹپ اندھیرے میں اپنے سامنے کو بھی دیکھ رہا تھا۔

۱۷۔ اکتوبر: ایک بار عیب شخص کو دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص سیلا پیٹی جانتا
ہے۔ میں نے اس شخص کو کوئی جگہ بتائی اور درخواست کی مجھے وہاں پہنچا دو۔ تب اس
نے آنکھیں اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔ میری تمام قوتیں ختم ہو گئیں۔ اور میں ہوا میں

دوسری اہم بات یہ ہے کہ میرے خیال میں اتنی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ جو کچھ میں ارادہ کرتا ہوں وہ فوراً پورا ہو جاتا ہے۔ ایک روز میرے دو چھوٹے بھائیوں میں لڑائی ہوگئی۔ اور بڑے نے چھوٹے کو تھپڑ مار دیا۔ کچھ دیر تک دونوں ناراض رہے۔ پھر سبھی خوشی کھیلنے لگے۔ میں نے ارادہ کیا کہ چھوٹے بھائی کو چاہیے کہ بدلہ کے طور پر بڑے بھائی کو تھپڑ مارے۔ ابھی میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو ایک بھر پور تھپڑ رسید کر دیا۔

ادھر میں نے جو مشاہدات اور تجربات بیان کئے ہیں یہ ان بے شمار واقعات میں سے چند ہیں جو آج کل روزانہ میرے ساتھ پیش آ رہے ہیں۔



لگا حالانکہ میرے گوروں نے مجھے سناپ مارنے سے منع کیا ہوا ہے۔ اتفاق سے میری حرکت کو بھائی صاحب نے دیکھ لیا۔ لیکن اس وقت کچھ نہیں بولے۔ اور گھر کے اندر چلے گئے۔ میں بہت فکر مند ہوا اور گورا کر بیک سوئی سے سوچنے لگا کہ نہ جانے بھائی صاحب مجھے کیا کہیں گے۔ بالکل میرے ذہن نے بھائی کی غصیلی آواز سنی۔ کہاں تھے تم؟ فوراً ہی ذہن نے اس کا جواب دیا "چائے پی رہا تھا"۔ بھائی صاحب کی آواز گونجی "اس سے پہلے کہاں تھے؟" کھانا کھا رہا تھا"۔ بھائی صاحب نے غصہ بھری آواز میں پوچھا "اور اس سے پہلے کہاں تھے؟" اس کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بھائی صاحب نے کہا "تم کو شرم نہیں آتی؟ کتنی دفعہ منع کیا ہے وغیرہ وغیرہ"۔ اس طرح ان کی ڈانٹ کی آواز آتی رہی۔

یہاں پر یہ کلام آرائی ختم ہوئی ہی تھی کہ بھائی صاحب کرے میں داخل ہوئے اور جس طرح میں نے اپنے ذہن میں آواز محسوس کی تھی، اسی انداز انسان ہی الفاظ میں کہا۔

"کہاں تھے تم؟"

میرا زبان سے فوراً نکلا "چائے پی رہا تھا"

اور پھر لفظ بے لفظاً انہوں نے مجھ سے وہی سوالات کئے اور ڈانٹا جو میں پہلے ہی اپنے ذہن میں سن چکا تھا۔

ایک اور واقعوں میں ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کہتا، میرے دماغ میں یہ خیال تیزی سے پیدا ہوا کہ یہ مجھ سے چاقو مانگ رہا ہے۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے مجھ سے کہا "مجھے چاقو کی فروخت ہے۔ آپ مجھے چاقو دے دیں۔"

مظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سانس کے رُخ زمین ہیں۔ سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے۔

روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے عارضی طور پر دور کر دیتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور اس روشنی کی بنیاد (BASE) اللہ کا نور ہے۔ جس طرح سانس کی آمد و رفت انسان کی زندگی ہے اسی طرح خیالات کو بھی ہم زندگی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر سانس خیالات کی زندگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب اگر ہم زندگی کا تجزیہ کریں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ جس طرح سانس دو رُخ برقا تم ہیں، بالکل اسی طرح خیالات بھی دو رُخ برقا تم کرتے ہیں۔ خیالات کا ایک رُخ وہ ہے جس کا نام اسفل رکھا گیا ہے اور دوسرا رُخ وہ ہے جو ہمیں اسفل سے دور کر کے اعلیٰ مقام میں لے جاتا ہے۔ عرف عام میں اس کو خیالات کی پاکیزگی یا خیالات میں چھیدگی اور تازگی کہا جاتا ہے۔ خیالات میں پاکیزگی دراصل ایک طرز فکر ہے۔ طرز فکر اگر پاکیزہ ہے تو انسان سکون اور راحت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ سکون اور راحت انسان کے اندر ذہنی یکسوئی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تازگی طرز فکر انسان کو حزن و ملال اور رنج و آلام سے آشنا کرتی ہے۔ حزن و ملال ذہنی یکسوئی ختم کر کے انسان کو دائمی انتشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ تمام آسمانی صحائف میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی اصل تخلیق ازل میں ہوئی ہے۔ اور پھر انسان (آدمی) ناسرمانی کا مرکب ہو کر اس دنیا میں آیا ہے، اسی دنیا میں جہاں ازل غیب ہے لیکن غیب سے اس کا

ٹیلی پیچی اور سانس کی مشق

شاہ محمود لاہور _____ میں نے پراسرار علوم کے موضوع پر مشرقی اور مغربی تقریباً تمام مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان تمام مصنفین نے شمسینی، آئینہ مینی اور دائرہ مینی کے متعلق لکھا ہے۔ اور ان مشقوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ہیں ان نتائج کے بارے میں بہت سے لوگوں کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ طبیعات اور نفسیات کی روشنی میں ان دانشوروں نے علمی بحث بھی کی ہے۔ ٹیلی پیچی کے بارے میں جو مقبولی آپ نے بیان کی ہے وہ بالکل منفرد اور الگ ہے۔ میری دانست میں کسی بھی مصنف نے ٹیلی پیچی کے ضمن میں سانس کی مشقوں اور نور کے سمندر کا تذکرہ نہیں کیا۔ جہاں تک ذہنی سکون کا تعلق ہے وہ اس علم کو سیکھنے میں مستدام ہے جو شمسینی اور دائرہ مینی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ کیا آپ اپنے قارئین کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ ٹیلی پیچی میں سانس کی مشق اور مراقبہ نور کی اہمیت کیا ہے؟

کائنات پھول انسان ہر لمحہ اور ہر آن متحرک ہے۔ کائنات کی حرکت سے قطعاً نظر انسان اور اس مخلوق کی زندگی کا جو ذریعہ روح بھی جاتی ہے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔ جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے، زندگی رواں دواں ہے۔ اور جب سانس میں تعطل واقع ہو جاتا ہے تو

نے پڑھا ہے کہ ان حضرات کی طرز فکر خود بخود انوار کی طرف منتقل ہو گئی ہے اور جب کوئی بندہ فی الواقع انوار سے آشنا ہو جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کی اپنی زندگی سنور جاتی ہے بلکہ وہ اللہ کی مخلوق کے لئے بھی تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین انشاء اللہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ فکر سلیم حاصل کر لیں گے اور اس فکر سلیم کے ساتھ شہ کی پستی سیکھ کر دماغی کش مکش، ذہنی انتشار اور مصائب و آلام کی زندگی سے نجات حاصل کر کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا ذریعہ بنیں گے۔



ایک مختصر رشتہ قائم ہے۔ ازل میں موجودگی کا تعلق انسان کی روح سے ہے اور دنیاوی وجود ایسے جو اس میں جو انسان کو روح سے دور کر دیتے ہیں۔ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کرتے ہیں۔ یعنی سانس کا باہر آنا اس زندگی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جب ہم سانس کو اندر رکھتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے۔ شہلی پستی کے اسباق میں سانس کی مشق کو اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ انسان اپنی روح سے قریب ہو جائے۔ ماورائی علوم میں اس وقت تک صحیح معنوں میں کامیابی ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنی روح سے قریب نہ ہو۔

عام طور پر شہلی پستی سیکھنے والے لوگوں کی طرز یہ ہوتی ہے کہ وہ اس علم سے دنیاوی فائدے اٹھائیں۔ اور اپنے معمول کو متاثر کر کے اس سے فائدہ حاصل کریں۔ چند حضرات اس علم کو اس لئے بھی سیکھتے ہیں کہ وہ اس سے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے صحت مند خیالات کسی مریض کے دماغ میں منتقل کر کے اس مریض کو بیماریوں سے نجات دلا دیں۔ اس علم کو سیکھنے والوں کی جو بھی طرز فکر ہوتی ہے ان کا ذہن اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ذہنی یکسوئی کے لئے مراقبہ اور شہلی پستی ہم نے اس لئے تجویز کی ہے کہ ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر طرز فکر بھی پاکیزہ ہو جائے۔ پاکیزہ طرز فکر میں انسان اپنی روح سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر ایسی فراست پیدا ہوتی ہے جس کو نصرت نے فکر سلیم کہا ہے۔

ہم نے شہلی پستی کی پہلی مشق کے دوران چند طلبہ کی کیفیات قلم بند کی ہیں۔ آپ

جب اس تصور میں گہرائی واقع ہو جاتی ہے تو پہلے سرو کے اوپر بارش کے قطرے گرنے کا احساس ہوتا ہے۔ تصور اور زیادہ گہرا ہوتا ہے تو فی الواقع بارش ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور جسم پر اس نورانی بارش کی بڑی بڑی بوندوں کا وہی اثر مرتب ہوتا ہے جو پانی کی بارش سے ہوتا ہے۔ یعنی نورانی بارش کی بوندیں گرنے سے جسم پر چوٹ پڑتی ہے اور پھر پورے ماحول پر برکھا رت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بند آنکھوں سے بارش کا تصور قائم ہو جائے اور جسم پر بوندوں کی چوٹ محسوس ہونے لگے تو اس مشن کو کھلی آنکھوں سے کیا جائے۔ اور تیسری آنکھ سے یہ دیکھا جائے کہ ہر طرف توری کی بارش ہو رہی ہے اور پورا ماحول اس نورانی بارش میں ڈوبا ہوا ہے۔ جب یہ تصور پورا ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس مشن کی تکمیل ہو گئی ہے۔

امان اللہ بچائی لاٹیری

لیٹ نمبر DS/3-4 بلاک
 ڈاؤننگ کمپنیاں کمپن بورڈ
 قلم اتھارٹی کراچی 7806



ٹیلی پیٹی کا دوسرا سبق

پہلے سبق میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ ٹیلی پیٹی سے کھینچنے کے لئے ضروری ہے کہ مشترک خیالات سے نجات حاصل کر کے صرف ایک خیالی کو اپنا ہدف بنایا جائے۔ ذہنی یکسوئی اور مرکزیت حاصل کرنے کے لئے دوسرا سبق ہے۔
 دابنے ہاتھ کے انگوٹھے سے مہد سے نٹھنے کو بند کر لیں اور بائیں نٹھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا تنہا پھٹکلیا سے بند کر لیں۔ اور دس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ دس سیکنڈ کے بعد رائے نٹھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ ایک چکر ہو گیا۔ یعنی پانچ سیکنڈ سانس لینا، دس سیکنڈ روکنا اور پانچ سیکنڈ باہر نکالنا ہے۔ اس طرح دس مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی یہ مشق صبح سویر نٹھنے سے پہلے غلوٹے معدہ اور رات کو سوتے سے پہلے خالی پیٹ کرنی چاہیے۔ سانس کی اس مشق کے بعد ہم تکبیر، سجدہ کر لیں اور یہ تصور کریں کہ آسمان پر نیلے رنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور ٹپ کے اوپر نورانی بارش ہو رہی ہے۔ شروع شروع میں اس مراقبہ کے دوران شعور کی شہادت آتی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ دماغ بوجھل اور ماؤت ہونے لگتا ہے۔ دماغ کا ماؤت ہونا اور اصل مشن کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔ ابتدائی چند دنوں میں بالخصوص بالکل قائم نہیں ہوتا یا صرف آسمان اور بادل کا تصور دماغ کی سطح پر نمودار ہوتا ہے۔

فکرِ سلیم

جاوید اختر، لاہور

سوال: آپ نے خیالات کے دو رخ متعین کئے ہیں۔ ایک اعلیٰ اور اعلیٰ۔ اعلیٰ خیالات کو آپ نے فکرِ سلیم کا نام دیا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا فکرِ سلیم ہے۔ اور اسلام میں شیطان کا بیجی کا بیجی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ شیطان یعنی دراصل ان علوم میں سے ایک علم ہے جو یورپ کے سائنس دانوں نے دوسرے ماورائی علوم سے انہز کیا ہے۔ یہ بہت زیادہ پریشان کن بات ہے کہ آپ نے اسلام میں شیطانیت کی پروردگاری کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیطانیت ایک ایسا علم بن گیا ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ شیطانیت کو سمجھنے والا کوئی فسرد فکرِ سلیم سمجھا رکھا ہو یعنی وہ مسلمان ہو۔ کیا آپ کسی ایک ایسے واقعہ کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو ہمارے اسلاف کے ساتھ پیش آیا ہو اور وہ شیطانیت کے علم کے مصالحت رکھا ہو؟ آپ سے نہایت دردمندانہ درخواست ہے کہ آپ اس علم کو اس کی اصلی شکل و صورت اور اس کی حقیقی ہیئت میں پیش کریں تاکہ اسلام اور شیطانیت میں امتیاز برقرار رہے۔

جواب: جہاں تک فکرِ سلیم کا تعلق ہے اس کو کسی ایک قوم یا کسی ایک گروہ کی میراث

قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فکرِ سلیم دراصل انسانی استعداد کا دوسرا نام ہے۔ اگر کسی غیر مسلم میں انسانی قدریں موجود ہیں تو اس کو ہر حال انسان کہا جائے گا۔ اور اگر کسی مسلمان میں انسانی قدریں نہیں ہیں تو وہ ہرگز انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پارہ ۹، رکوع ۱۳ سورہ المائدہ کی آیت ۶۹ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود میں اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور عمل کرے نیک ان پر ڈر ہے اور نہ وہ نیک کھادیں (ترجمہ شاہ عہد القادری)۔

آیت مقررہ میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کا نیک عمل ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس نیک عمل کا اجر اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عطا کرتے ہیں بشرط یہ ہے کہ اس کا عمل خالصتاً اللہ کے لئے ہو۔ ایسا عمل جو اللہ کے لئے کیا جائے، فکرِ سلیم کے دائرے میں آتا ہے۔ ہم نے فکرِ سلیم کو ایک ایسی طرزِ فکر بتایا ہے جو انسان کو اس کی رُوح سے قریب کرتی ہے۔ رُوح سے قریب ہونا اور رُوح کا عرفان حاصل ہونا ہی دراصل انسانیت ہے۔ تمام آسمانی صحائف نورِ انسانی کو اسی طرزِ فکر کی دولت دیتے ہیں۔ اس سوال کا جواب کہ اسلام میں شیطانیت کا وجود نہیں ہے یہ ہے کہ شیطانیت دراصل نام ہی ایسے علم کا ہے جس کے ذریعے ایک بندہ اللہ کے مخلوق کے دلوں میں اپنے خیالات اور طرزِ فکر کے منتقل کرتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اپنی اس فسرد فکر کو جو انہیں اللہ تعالیٰ نے لطف سے عبورِ حاس و دلیت ہوئی ہے، اللہ کے مخلوق کو اس سے سفین یا ب کریں۔ اور ان کو شیطنیت سے مامون اور باغیانہ طرزِ زندگی سے نجات دلائیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ترغیب کی بجائے اس علم کو شیطانیت

کہہ دیا جائے جس طرح خدا کو انگریزی میں God یا ہندی میں بھگوان کہا جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی ایک واقعہ کی نشاندہی کر دی جائے جو اسلاف کے ساتھ پیش آیا ہو اور وہ ٹیلی پتھی سے مطابقت رکھتا ہو۔

تاج دابر دو عالم سرور کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو اونٹ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کے مالک سے ارشاد فرمایا کہ یہ اونٹ تیری شکایت کر رہا ہے کہ تو اس پر بوجھ پورا لا داتا ہے لیکن اس کے خورد و نوش کا انتظام پورا نہیں کرتا۔

اسی طرح تاریخ اسلام میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ سنہری حروف سے لکھا ہوا ہے کہ ایران کی ایک جنگ کے دوران سپہ سالار اسلام حضرت ساریہؓ اپنے لشکر کو لے کر دشمن کے بہت قریب پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد دشمن نے امداد حاصل کرنی اور اس کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اسی دوران حضرت عمرؓ جو کا خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے اچانک فرمایا "اے لوگو! میں نے فریقین کو دیکھا ہے" اس کے بعد آپ نے دونوں لشکروں کا حال بیان کیا۔ پھر پکار کر فرمایا "یا ساریہ، الجبل الجبل؛" (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف چلے جاؤ) تاریخ شاہد ہے کہ ساریہؓ میدان جنگ میں حضرت عمرؓ کی آواز سن کر پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے اور شکست سے محفوظ و مامون رہے۔

اس ضمن میں انبیائے کرامؑ، اولیاء اللہ اور جنین (GENIUS) لوگوں کے سینکڑوں واقعات ایسے ہیں جو شمال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔

جین جین جین جین جین جین جین جین

تقریبیں

طفیل اے شیخ، لاہور

سوال: میری عمر اس وقت ساٹھ برس ہے۔ ٹیلی پتھی اور دیگر مخفی علوم پر میری گہری نظر ہے۔ اور ان علوم پر میں نے تمام کی اور غیبی ملکی مصنفین کو کھنگال ڈالا ہے لیکن ٹیلی پتھی کے عنوان کے تحت جو کچھ آپ نے تحریر کیا ہے اتنی دلی، اتنی جامع اور ایسی روشن تحریر آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔

اب جب کہ میں عاویۃؓ نہیں بلکہ حقیقتاً قبر میں پیر ٹکے بیٹھا ہوں میں آپ سے ایک مشورہ طلب کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس عمر میں ٹیلی پتھی کی مشقیں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ جانتے ہیں کہ اس عمر کو پہنچنے پہنچنے کوئی شوق برت سارا نہیں رہتا۔ میرے پاس اشک و دیا سب کچھ ہے لیکن اگر کوئی چیز نہیں ہے تو وہ ذہنی سکون ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ٹیلی پتھی کی مشقوں سے دماغی خلیوں کی شکست و ریخت کم ہو جاتی ہے۔ خیالات خورد خورد سدھ جاتے ہیں۔ اور بے اطمینانی ختم ہو جاتی ہے۔ کیا یہ اثرات عمر کے ہر حصہ میں میں مرتب ہو سکتے ہیں؟ نیز یہ کہ ساٹھ برس کی عمر میں یہ مشقیں دل و دماغ کے لئے نقصان دہ تو نہیں ہوں گی؟ لہذا آپ مجھے ان مشقوں کی اجازت مرحمت فرمادیں۔

ایک سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں۔

علیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ ان اوقات میں کوئی اور صاحب بھی سوال کر لیا کرتے تھے اور پوری مجلس جو اب سے مستفیض ہوتی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔ "بابا صاحب! ایسی مخلوق جو غلط نہیں آتی مثلاً فرشتہ یا جنات، غیر متواتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدر و عول کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی تو حیثیات نہ ہونے سے ذی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے۔ تجربات جو کچھ زبان زد ہیں وہ افسرادی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر ارشاد فرمائیں۔"

نانا رحمت اللہ علیہ نے اس باب میں جو کچھ فرمایا وہ فقط تبصرہ نہیں بلکہ میرے اندازے میں ایسے الہامات کا مجموعہ ہے، قدرت نے ان کی ذات کو حین کام کرنا یا نہ تھا۔ صاحب فرست انسانوں کے لئے یہ طوفانات محدود درجہ عملی تفکر میں۔ ان کے جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدرت اور ان کے ذہن کی سطح قریب قریب ایک ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کی وضاحت جن خیالات کے ذریعے کی گئی ہے وہ قدرت کے رازوں میں کس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا نانا ناز الدین لٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ ادھر تھی۔ فرمانے لگے تباہ دگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ وახشم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہنے میں قیاس آرائی سے زیادہ نہیں تو

کہا ہمارے خیالات کا تبادلہ انسانوں کی طسرح جنات، فرشتوں اور جبرائیل سے بھی ہوتا ہے، نیز کیا ہم اپنے تفکر سے عالم اسباب کے علاوہ دوسرے نظام پاک شمسی میں لگا تفرق کر سکتے ہیں اور کیا روشیناں (خیالات)، اپنی ایک الگ طبیعت، باہمت اور ریختانات رہتی ہیں؟

جواب: بابا ناز الدین ناگپوری صرف خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس میں کہ انہوں کی عقلی توجیہ ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے یکساں کر امت کے مولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی بہرین منتقل ہو رہی ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین میں دلن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے جا رہے ہیں جو نانا رحمت اللہ علیہ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔ بغیر توجیہ دینے بھی ان کی نفس رادہی توجہ لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے بابا صاحب کے اس طسرح ذہن سے بہت زیادہ فیضان حاصل کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل ہی عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور نانا رحمت اللہ علیہ نے اس کا جواب دے دیا۔

انسان، فرشتے اور جنات | مرہٹہ راجہ دگھوراؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی درخواست کرتا تو اس طرح جیسے دیوتاؤں کے حضور میں۔ یہاں وہ چند باتیں پیش کی جاتی ہیں جو میری موجودگی راجہ اور نانا رحمت اللہ

ہو جاتے ہیں۔ غور سے سو۔ ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں اُبھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں کائنات کا ذکر اور کہا گیا ہے، اوشے اور خنات مان سے انسان کا تفکر، اکل کی طرح متاثر ہوتا ہے۔ جس طرح انسان خود اپنے فطر سے متاثر ہوتا ہے۔ قدر کا چہن یہ ہے کہ وہ لاتنا ہی تفکر سے متاثر ہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرز عمل کا ایک جزو ہے۔ انسان پابہر گاہ ہے، جنات پابہر ہوتی ہیں۔ فرشتے پابہر نور۔ یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات میں۔ اگر یہ تینوں محفوظ نہ رہیں اور ایک تفکر کی ہوسریں دوسرے تفکر کو نہ تھیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گا۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر سمیٹی اور سمیٹی قسم کے تمام جموں سے فکری طور پر روشناس ہے۔ ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے۔ حالانکہ ہمارے اپنے تفکر کے تجربات پابہر گاہ ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ سمیٹی اور نور کے تجربات جنہی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تفکر کو آنا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آنا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو عموماً طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور توڑے بھی۔ ہمارے وجود میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں، ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلاً خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آنا یعنی تفکر کی ہوسریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ تمام کائنات اس وضع کے

پھر بھی سمیٹے ہی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ جب ہم غور کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو درحقیقت انہیں سوچنے کا اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔ فرمایا جو کچھ میں نے کہا اُسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک معنوں سے انسان کچھ نہ جانتے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دور پر سے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈالنے جاؤ۔ دن کا طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیا شے ہے، میں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں ان کے بارے میں اتنی بات کہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے اور اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا بھی تجربہ ہے۔

میاں رنگور راؤ! ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں، پھر بھی وہ مظاہر میں جن سے ایک ذرہ واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے۔ اس نے قابل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی فروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر کیا کام کرتا ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں جاسکتی۔ نگاہ اور منکر کا عمل ظاہر ہے دراصل سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گنگنا ہو گئی ہے۔ فکری کے ذریعے تجربہ عمل میں آتے ہیں۔ تم نگاہ کو تمام جو اس پر قبضہ کرو۔ سب کے سب گونگے، اہرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی جو اس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے سمجھایا جاتا ہے کہ جو اس تفکر سے الگ کوئی چیز ہیں۔ حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض تفکر ہے۔ فرشتہ محض تفکر ہے۔ جن محض تفکر ہے۔ علیٰ خدا یقیناً اس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔ فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آ جاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز منکشف

تبادلو خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادلو خیال کے لحاظ ہمارے زیادہ مانوس ہیں۔

نانا تاج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کینے نیک لکھتانی نظم اموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ بے درپے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وصول ہوتے ہیستے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشعور تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہمہ تخلیق تصور اور تصکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ بچھا رہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک لگتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور نسل کے شعور پر منحصر ہے شعور جو سلوب اپنی آنا کی مقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادلو خیال ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ ہنسن آئن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے لکھتانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں بہترین نوعیں تخلیق کار بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر مہین مسافت لے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائنات کی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک انسان ہزاروں جسم | میں یہ کہ چلا ہوں کہ گفت کرانا اور شخص ایک ہی جسم ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا تفرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ آنا، نفس اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ سہتی ہیں جو لاشعور کی کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے ہی ہیں۔ مثلاً ابھارت، سماعت، عظم، محبت، رحم، ایثار، رفقار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور ایک سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپائے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ عملی حلقہ اس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسری انواع سے زیادہ ہیں۔

انسان لاشعور سے تیار ہوا ہے۔ اور ان کی فطرت لگتی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات جنات اور فرشتے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں جنات بافرشتے، ان کے سراپا کا ہر نسل ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی ملی ہوتی ہے یا خفی۔ جب پرت کی حرکت ملی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔ عملی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زیادہ عظیم اشیان اور مسلسل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔ البتہ یہ منظر ہر محض انسانی لاشعور کی سپرد اور نہیں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور و راز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس کمزوری کی وجہ انسان کے اپنے خصائل ہیں۔ اس لئے اپنے

ثمت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں ثمت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتوں کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طبیعی کار بہت آسان ہے۔ مٹھاس اور نمک کی معین مقدار میں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تذبذبوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

شیر کی عقیدت

ایک دن واک شریف کے جنگل پہاڑی بٹے پر چند لوگوں کے ہمراہ چڑھتے چلے گئے۔ نانا رحمتہ اشد علیہ سکر کر کہنے لگے "میں جس کو شیر کا ڈنہ وہ چلا جائے میں تو ہیاں فرا سہا ویر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنا دیر قیام کے اس کی مرضی۔ تم لوگ خواہ مخواہ انتظار میں مبتلا نہ ہو۔ جاؤ، کھاؤ پیو اور مزہ کرو"

بعض لوگ ادھر ادھر چھپ گئے اور زیادہ چلے گئے۔ میں نے حیات خاں سے کہا کیا اسادہ ہے؟ پہلے تو حیات خاں سوچا رہا۔ پھر زرب سکر کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر سوال کیا "چلنا ہے یا تماشہ دیکھنا ہے؟"

"بھلا بابا صاحب کو چھوڑ کے میں کہاں جاؤں گا۔ حیات خاں بولا۔
گرمی کا موسم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا خما کے طوفان اٹھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر ہٹ کر میں ایک گھنی جھاڑی تک بچے بیٹ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر حیات خاں اس طرح بیٹھ گیا کہ نانا تاج الدین کو کون آنکھوں سے دیکھتا رہے۔
اب وہ دبیز گھاس پر بیٹھ چکے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ نفا میں بالکل

کس مقصد کے لئے پارہ گل بکھا ہے، یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی مخلوق پورا نہیں کر سکا جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست و پا ہو۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے ان کی چھوٹی بڑی مخلوط اسطرودوں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بیڑا ہونا ہی تفسیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اس کی سسر کی صورت میں ہیں۔ دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان ثمت دخان کی اور جنات منفی دخان کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ، ان دونوں کے ملحق سے بنا ہے۔ عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے مکانی متوجہ سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور ناپو دین کم ہو جاتا ہے۔ ان تین نوعوں کے درمیان عجیب غریب کرشمہ برسر عمل ہے۔ ثمت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کیفیت دار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دخان کی منفی کیفیت نکلنے ہے۔ اس کیفیت کی کیفیت دار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر ایک انسان میں ثمت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں ثمت کیفیت بڑھ جائے تو اس میں نقل و زن پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی ایسی قانون نافذ ہے۔ اگر ثمت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو

۹۵
 اولیٰ تھیں وہ آپس کی اطلاعات کا باعث بنتی تھیں۔ حارثین میں کشف کی عام روش
 یہی ہوتی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں بھی کشف کی طرح ہوتا ہے
 کشف کے معاملے میں انسان اور دوسری مخلوق یکساں ہے۔

لہروں میں رد و بدل کا قانون یہ قانون بہت نکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے
 کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دُور کرتے رہتے ہیں ان میں بہت زیادہ ہمارے
 معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دُور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے
 جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک
 پہنچتے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملاتے ہیں تو ہزار کوشش کے
 باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی
 حسد بیاہیں مگر طلب ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔
 لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلے کو مستقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں
 لاتنا بہت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے
 ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں "ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں
 ہیں۔" روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بچا لے خود
 موجود نہیں جانتیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ راجح ہے۔
 آواز کی لہریں جن کے معنی سمجھنے کر کے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ
 ہی تبادلی کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونا گونا گونے والے
 ہونٹوں کی خفیف کی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے

سننا نا پچھا ہوا تھا۔ چند منٹ گزرے ہی تھے کہ جنگل بھیانک محسوس ہونے لگا۔ آدھے
 گھنٹہ پھر ایک گھنٹہ۔ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ
 انتظار کسی سادھو، کسی جوگی، کسی ولی، کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا
 کم از کم میرے ذہن میں قدم بقدوم حرکت کر رہا تھا۔ یکایک نانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
 نکلا میں توجہ نہ کریں۔ ان کے پیروں کی طرف ایک طویل القامت شیر ڈھلان سے اوپر
 چڑھ رہا تھا۔ بڑی آہستہ خرامی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر نیم دائیوں سے نانا تاج الدین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ
 پیروں کے بالکل قریب آگیا۔

نانا گری بند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے چھو رہا تھا۔ چند منٹ بعد
 اس کی آنکھیں ستانہ داری سے بند ہو گئیں۔ سمرزین پر رکھ دیا۔
 نانا تاج الدین ابھی تک موربے تھے۔

شیر نے اب زیادہ جرأت کر کے تلوے چاٹنا شروع کر دیئے اس حرکت سے
 نانا کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
 کہنے لگے "تو آگیا۔ اب تیری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں تجھے تندرست دیکھ کر بہت
 خوش ہوا۔ اچھا اب جاؤ۔"

شیر نے بڑی ممنونیت سے دم ہلائی اور چلا گیا۔ میں نے ان واقعات پر بہت غور
 کیا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ شیر پہلے بھی ان کے پاس آیا تھا۔ مجھ کو اس امر کا یقین کرنا
 پڑتا ہے کہ نانا اور شیر پہلے سے ذہنی طور پر ایک دوسرے سے روشناس تھے۔ اور
 روشناسی کا طریقہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ انا کی جو لہریں نانا اور شیر کے درمیان رد و بدل

کیفیات و واردات سبق ۲

محمد جہانگیر تنہم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۲۔ نومبر: ٹیلی پھیٹی کی دوسری مشق کے دوران آنکھوں میں سے نور کی ہری نکتی ہوئی محسوس کیں۔ نور کے ہلے نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ اور جاتے رہے۔ ایک بہت بڑی وسعت دکھائی دی۔ اور اس میں روشنی ہی روشنی پھیلی نظر آئی۔ مشق کے دوران آنکھوں کے ڈیلے بالکل ساکت اور جے ہوئے محسوس کئے۔

۲۱۔ نومبر: آنکھوں کے سامنے نور کی لہروں کا هجوم ہو گیا۔ اور نور سے دیکھنے پر لہروں میں سمٹیں نظر آئیں۔ مشق کے دوران دماغ کو جھٹکا لگا۔ اور روشنی میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دماغ میں بہت زیادہ روشنی بھری ہوئی محسوس کی۔

۲۳۔ نومبر: آج خود کو خفصا میں پرواز کرتے دیکھا اور دوران پرواز دیکھا کہ میرا دماغ روشنیوں سے بھرا ہوا ہے اور ماتھے پر نور کی بنی ہوئی ایک باطنی آنکھ بھی ہے۔ مشق کے بعد میں نے سونے کے لئے کبیل اپنے اوپر ڈالا تو کبیل کے اندر روشنی کا جھماکا ہوا جیسے کسی نے ٹیوب لائٹ جلا دی ہو۔

ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کرتے ہیں۔ یہاں بھی آنا کی ہری کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صحت آنے ممانے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے کیونکہ پتھروں، پانی کے ذروں میں من عین اسی طرح تسلسلہ خیال ہوتا ہے۔ (تذکرہ تاج الدین بابا تصنیف قلندر بابا ادیب)

درخت کی سرسبز شاخ آسانی سے ٹر جاتی ہے اور ہم اپنی مرضی اور منشا کے مطابق اس میں لچک پیدا کرتے ہیں۔ اس کے عکس سوکھی لکڑی کے ساتھ ذرا آزمائی کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ قدرت کا یہ فیضان جاری و ساری کا ہے۔ اور اللہ کے قانون کے مطابق:

”جو لوگ اللہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اجر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔“

آپ اس قانون کا سہارا لے کر فیسی پیٹی سیکھ سکتے ہیں۔

امان اللہ بیچائی لائبریری

لیٹ نمبر DS/3-4 بلاک

D ماؤنٹنگ کمپائیکس ایڈس

ٹاسم اتھارٹی سکراچی 7606



خالد پرویز، کوئٹہ، بلوچستان۔

۱۔ فردری : سانس کی مشق کرنے کے بعد مراقبہ شروع کیا تو نور کی بارش کا تصور بتا دیا گیا۔ ہر طرف نور برس رہا تھا اور میں اس بارش میں بیٹھا ہوا مشق کر رہا تھا۔ نور کی برسات ایسے تھی جیسے دودھ کے چمک دار قطرے ہر طرف گر رہے ہوں۔ صبح سانس کی مشق کے بعد مراقبہ میں پھر نور کا تصور بتا دیا گیا۔ اور نور کی موسلا دھار بارش مجھ پر گرتی رہی۔ اور ذہن میں خیالات بھی آتے رہے۔

رات کو خواب میں جو کچھ دیکھا دوسرے دن من و عن دہی واقعات رونما ہو گئے۔ حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کی مشقوں کا خواب سے کیا تعلق ہے۔

جب بھی نور کی بارش کا تصور کرتا ہوں اسے پوری شدت سے برسات دیکھتا ہوں۔ نور کی چمک دار بوندیں جسم پر جہاں بھی گرتی ہیں وہ جگہ روشن اور شفاف (TRANSPARENT) بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پورا جسم روشنیوں کا بنا ہوا نظر آتا ہے۔

توراتی بال

محمد فاروق مصطفیٰ، بہاول پور۔

۱۲۔ جنوری : آج دورانِ مشق سارا ماحول موسلا دھار بارش میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔ خود اپنے اوپر بھی تیسرا اور کبھی ہلکی بارش برستی ہوئی دیکھی۔ لیکن ارد گرد کا سارا ماحول بہت تیز اور لگا تار بارش میں ڈوبا ہوا نظر آتا رہا۔ ایسے لگا جیسے جسم بیٹھک رہا ہے اور سر کے بال توراتی بارش سے تر ہو گئے ہیں۔

۹۔ جنوری تا ۱۲۔ جنوری : ذہن پر عجیب قسم کی گرد سی چھائی رہی جیسے ذہن بالکل ہی خالی ہو اور کوئی بات بھی سوچنے پر آمادہ نہ ہو۔

گناہوں کی دلدل

محمد طارق، ڈی آئی خاں۔

۳۔ فروری : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کا تصور قائم ہوا لیکن پھر غمزدگی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد مجھے اچانک جھٹکا لگا اور میں عالم بوش میں آ گیا۔ دیکھا کہ کمرے میں بے شمار روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

۵۔ فروری : دیکھا کہ ایک بہت بڑا گلاب کا پھول آسمان سے نور کے پانی میں اُترا۔ پھول ایک طرف سے دروازے کی طرح کھلا اور ایک بزرگ جن کے ارد گرد نور کا ایک ہالسا تھا اپنے ساتھیوں سمیت نکلے۔ پھول کا دروازہ بند ہو گیا وہ بزرگ اپنے ساتھیوں سمیت نور کے پانی میں چلے ہوئے ایک جگہ آکر ٹھہر گئے۔ پھر آسمان سے ایک تاریک اور بڑا گلوب نیچے آیا۔ بزرگ نے جب کچھ بڑھ کر اس گلوب پر پھونکا تو وہ چمکنے لگا اور اس پر طرح طرح کے مناظر دکھائی دینے لگے۔ وہ بزرگ اور ان کے ساتھی ارد گرد دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے۔ آواز آئی "تمہاری یہ دنیا گناہوں کی دلدل میں گردن تک دھنسی ہوئی ہے۔ اس لیے اطمینانی کا شکار ہے۔ اگر تم صدق دل سے عبادت کرو اور متحد ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی۔ اس کے بعد وہ گلوب تاریک ہو گیا۔ بزرگ نے اسے اٹھایا اور آسمان کی جانب پھینک دیا۔ اور وہ بادلوں کی اُٹ میں غائب ہو گیا۔ اب پھول سے

کی۔ کافی حد تک کامیابی ہوئی۔ کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے تیز روشنی نمودار ہوتی تھی اور کبھی نور کی بارش کا تصور قائم ہو جاتا تھا۔ کل ۲۰۔ فروری کو سارے ماحول پر بارش کا خوش گوار اثر دیکھا۔

منیسرہ فاطمہ، لاہور

۶۔ جولائی : نور کی بارش کا تصور بہت آسانی سے قائم ہو گیا مگر جیسے ہی چہرے پر بوندوں کے گرنے کا احساس اُجاگر ہوا بند آگئی۔ میں نے سارے دن اس بات کو آزمایا ہے کہ جب چہرے پر نورانی بارش کی بوندیں گرتی ہیں مجھے نیند آ جاتی ہے۔
۱۲۔ جولائی : ایک عجیب سی روشنی دیکھتی ہوں۔ اس سے سارا گھر یا کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ نور کی بارش کا جب تصور آتا ہے تو دوسرے کونڈے اندر اندر اپنے آپ کو بارانِ رحمت میں بھیگا ہوا پاتی ہوں۔ جسم میں ایک لطیف پھر پھر کی آ جاتی ہے۔ اور کتنے ہی گرم کمرے کھولتے ہوں مجھے ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگتی ہے اور بہت ہی لطف آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ رحمت کی بارش میں کھڑی رہوں۔ کبھی کبھی تو جیسے ہی نور کی بارش کی بوند جسم یا چہرے پر پڑتی ہے تو فوراً ہی ایک روشنی یا فلیمس سی نظروں کے سامنے چمک جاتی ہے۔ جسم میرا تقریباً پورے ہفتے ہی گرم گرم سا رہا۔ تقریباً میٹر لگا یا تو بخار یا حرارت نہیں تھی۔

چراغ اور موتی

یادگار حسین، کراچی

۲۹۔ اکتوبر : مراقبہ میں کچھ دیر کے لئے نور کی بارش کا تصور بندھا اور

دو چور تین نکلیں اور دروازے کے دونوں طرف کھڑی ہو گئیں۔ وہ بزرگ مع اپنے ساتھیوں کے جیسے ہمارے دروازے کے قریب پہنچے، انہوں نے ادب سے دروازہ کھول دیا۔ ان کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ پھر بند ہو گیا۔ پہلے تو وہ پھول پانی میں تیرتا رہا۔ پھر آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔ پھر وہی نور کی بارش تھی اور میں تھا۔

۱۰۔ فروری : جب مشق کرنے بیٹھا تو کمرے میں باوجود سخت اندھیرا ہونے کے کمرے کی ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ دیکھا کہ آسمان نیلا ہے اور ایک نیلا بادل تیرتا ہوا میرے سر پر آیا اور ایک طرف سے چھٹ گیا۔ جس سے بے شمار روشنی نکلی اور قطروں کی صورت میں تبدیل ہو کر برسنے لگی۔ اور پھر یہ موسم لا دھارا ہو گئی۔

نور کی بارش

روہی خان، کراچی

۷۔ جنوری : نور کی بارش کا تصور کیا تو دیکھا کہ سر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور نور کی بارش سر کے اندر ہو رہی ہے۔ نور اُبل اُبل کر باہر نکلتا ہے۔ ٹیب کی طرح کبھی ٹپکتا ہے اور کبھی بچھ جاتا ہے۔

۱۴۔ جنوری : مشق کے دوران دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد میں کچھ بزرگ بیٹھے مقدس آئینے پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی کہ تم بھی پڑھو۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں پڑھا جا رہا ہے۔ جواب ملا تمہاری کامیابی کے لئے۔

۸۔ فروری سے ۲۰۔ فروری تک : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کی مشق

۹۔ نومبر: مشق کے دوران جسم کو کئی جھٹکے لگے۔ اور اتنی تیز روشنی پیدا ہوئی جیسے دن نکل آیا ہو۔ میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ ایک قطار میں کچھ بزرگ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے خود کو ایک ہنابت خوبصورت باغ میں موجود پایا۔ باغ میں اہرے بھرے پردے اور پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ کسی نامعلوم شخص نے موتیا کا ایک پودا جڑ سے اٹھا کر میری طرف بڑھایا اور کہا کہ اسے سونگھو۔ میں نے اسے سونگھا تو ایک عجیب قسم کی خوشبو محسوس کی۔ وہ خوشبو ہنابت تیز تھی اور اس کا اثر صورت انگیز تھا چند لمحوں پہلے میرے دماغ پر جو بوجھ تھا وہ یکلخت ختم ہو گیا۔ اور میں نے خود کو پرسکون محسوس کیا۔

۱۲۔ نومبر: ٹیلی سٹیجی کی مشق کے بعد لیٹا تو جسم کی حرکت ساکت ہو گئی۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو حسلا میں موجود پایا۔ رنگ اور روشنی کی بارش ہو رہی تھی اور میں اس بارش کی زد میں تھا۔ میں نے رنگ و نور کی اس بارش کی جوت اپنے جسم پر محسوس کی۔ میں نے نیچے کی جانب دیکھا تو نظر آ یا کہ بارش ایک بہر میں جمع ہو رہی ہے۔ اس وقت تیز ہوا چلنے لگی اور کہیں دور سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی جو کانوں کو بہت جلی دکھ رہی تھی۔

بت و آنکھوں کے سامنے روشنی کی ٹیکروں کا جال پھیل گیا اور دل کی طرح ایک بڑی ڈبیا آٹھسائی جس میں کفر کی طرح دروازہ بنا ہوا تھا۔ یہ دروازہ بار بار کھلتا اور طرح طرح کے مناظر دکھائی دیتے۔ دیکھا کہ ایک تالاب ہے اور اس میں ایک مچھلی تڑپ رہی ہے۔ مچھلی کو تڑپتے دیکھ کر یہ بات ذہن میں آئی کہ پانی کم ہے جس کی وجہ سے مچھلی غوطہ لگاتی ہے اور فرس سے نکل جاتی ہے۔ تالاب کے اندر دیواروں پر پیل بوٹے بٹھائے تھے۔

۱۵۔ نومبر: ایک روشن دائرے میں خانہ کعبہ نظر آیا۔ اس کے چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آسمان سے بارانِ رحمت کی طرح نور چاروں طرف

پھر بدن کو جھٹکے لگنے لگے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے دن نکلنا ہوا ہے اور چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

۲۰۔ اکتوبر: ایک روشن دائرہ آیا۔ اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے نکاہوں کے سامنے سے پردے ہٹتے جا رہے ہیں۔ روشن دائرے میں مختلف رنگ متحرک نظر آئے۔ مشق کے بعد لیٹا تو محسوس ہوا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں کالے سیاہ بادل اور سفید رنگ بادل اگر ان میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان بادلوں میں سے سفید شعا میں نکلے لگیں۔ اور ان کا رنگ تبدیل ہو کر سنہری ہو گیا۔ اگلے دن نوکر چکیا گیا تو مغرب سے پہلے وہی منظر دیکھا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور سورج ان کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور سورج کی کرنوں کی وجہ سے بادلوں میں سے سنہری شعا میں نکل رہی ہیں۔

۲۱۔ نومبر: دیکھا کہ ایک مزار ہے جس کا گنبد سفید ہے۔ اور نور اس پر دھارے کی صورت میں برس رہا ہے۔ خانہ کعبہ کی جھلک بھی نظر آئی۔ اس کے بعد دیکھا کہ دور ایک چراغ جل رہا ہے۔ یہ نظر آہستہ آہستہ قریب آتا گیا اور میں نے دیکھا کہ ایک موم جی جل رہا ہے۔ ایک عمارت نظر آئی اور پھر ایک مینار دکھائی دی۔ کچھ لوگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے ایک عصا میری طرف بڑھایا۔ لیکن مجھے اسے لیتے ہی جوک محسوس ہوئی اور پھر میں نے وہ عصا لے لیا۔

۵۔ نومبر: سانس کی مشق کے دوران روشنی کی ایک بڑی قوس قزح کی شکل میں نظر آئی۔ پھر کئی رنگ کی شیاں سامنے آئی رہیں۔ زرد، سرخ اور نیلگوں۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے نور کا دھارا نکلا ہوں کے سامنے آنے والا ہے۔

ہو گئے جیسے انہیں برت میں لگا دیا گیا ہو۔

لطیف آباد، حیدرآباد میں ستمبر احمد ۱۶ جولائی سے برابر نور کی بارش والی مشق کر رہے ہیں۔ لکھتے ہیں پہلے دو دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ البتہ ۱۸ جولائی کو مشق کے دوران سر میں شدید قسم کا درد ہوا۔ ۱۹ جولائی کو بھی مشق کے دوران یہ درد برابر ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اس بات کی وضاحت آپ نے کر دی تھی اس لئے میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔

۲۰ جولائی کو جب مشق سے فارغ ہو کر میں بستر پر لیٹا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں دوہن گیا ہوں۔ میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا تو میرے برابر میں ایک اور سیر لیٹا ہوا تھا۔

پھیل رہا تھا۔

محمد صدف در تابی، شیخوپورہ۔

مراقبہ میں دیکھا کہ واقعہ میں بارش میں بھیگ رہا ہوں۔ پھر یہ یونہی اولوں کی طرح سفید روتی بن کر گرنے لگیں۔ جب یہ روتی میرے جسم سے ٹکرانے لگی محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا مادی وجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ روشنیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن میں نے فوراً ان قطروں کا لمس فرود محسوس کیا ہے۔ ایک اور فرق تھا اور وہ یہ کہ پانی کے قطروں سے ٹکرائے محسوس ہوتی ہے لیکن ان یونہوں کے گرنے سے سستی و سرور کا احساس جاگ جاتا تھا۔

جھاڑو اور کمزور شخص

محمد منصور، باجھان پورہ

۲۹ اپریل: بارش پانچ سبکدنگ نظر آتی رہی جو دو دھیارتنگ کی تھی اور ذہن اسے توراتی صورت میں دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

آج غلابت معمول صبح بیدار ہو کر دوبارہ سو گیا۔ دیکھا کہ میرے کمرے میں سیرا اور کمزور رنگت والا شخص جھاڑو دے رہا ہے۔ دیکھتے ہما میں غصے میں باہر گیا کہ اسے میرے کمرے میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی۔ دوبارہ کمرے میں شک کی بنا پر گیا۔ دیکھا کہ وہ میرے بوٹوں کے تیسے بڑی نفاست سے پرور رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا آپ غلابت سے ڈال رہے ہیں۔ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کام کرتا رہا۔

۳۰ مئی: آہستہ آہستہ نیلے بادل چھا گئے۔ آج بازو اور مرا ایسے ٹھنڈے

۲۔ نفسیات PSYCHOLOGY

۳۔ مابعد النفسیات PARA PSYCHOLOGY

علم طبیعیات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال و انفعال آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محدود دائرے میں رہ کر مستفیض ہوتا ہے یعنی اس کی سوتن کا محدود مادہ (MATTER) اور صرف مادہ ہوتا ہے۔ مادی دنیا کے اس خول سے وہ باہر نہیں نکلتا۔

نفسیات وہ علم ہے جو طبیعیات کے پس پردہ کام کرتا ہے۔ خیالات و تصورات اور احساسات کا تانا بانا اسی علم سے مرکب ہے۔ خیالات اگر توڑ کر ساتھ علم طبیعیات کے دائرے میں منتقل ہوتے رہیں تو آدمی صحت مند خیالات کا پیکر ہوتا ہے اور اگر خیالات کے اس لائق نامی سلسلے میں کوئی زخم در آئے اور علم طبیعیات کا دائرہ اس خیال میں مرکوز ہو جائے تو آدمی نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔

علم مابعد النفسیات، علم کی اس بساط کا نام ہے جس کو روحانیت میں مصدرِ اطلاعات یعنی SOURCE OF INFORMATION کہا جاتا ہے۔ علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی کنجی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

اس اجماع کی تفصیل یہ جوتی کہ آدمی تین دائروں سے مرکب ہے۔ شعور، لاشعور اور ور اسے لاشعور۔ جب ہم کسی مظاہراتی خود خیال میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ان تین دائروں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ یعنی پہلے ہمیں کسی چیز کی اطلاع ملتی ہے، پھر اس اطلاع میں تصوراتی نقش دیکھا جاتا ہے اور پھر یہ تصوراتی نقش دیکھا جاتا ہے اور پھر اس کے ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

علم کی درجہ بندی

محمد ارشد، کراچی۔

سوال: میں آپ سے چند سوالات کے جوابات چاہتا ہوں۔ آپ ان سوالات کے جوابات قرآن کریم کی روشنی میں دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سوالات کے جوابات سے روحانیت کے بعض گوشوں پر روشنی پڑے گی اور ایسے لوگ جن کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مطمئن ہو جائیں گے۔

اگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اپنے خیالات و دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں تو ہم شامی مٹی کو بوجھ گچھ کے سلسلے میں کیوں استعمال نہیں کرتے اور جاموسوں کے اہم منصوبوں سے کیوں واقف نہیں ہو جاتے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی روحانی استاد کی نگرانی میں مراقبہ کرنے سے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے تو ہم یہ کیوں نہیں پتہ کر سکتے کہ ہر دم معرکب اور کیوں تعمیر ہوئے اور ان میں استعمال ہونے والے اتنے ذہنی پتھر کس طرح لائے گئے؟

جواب: دنیا میں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں :-

PHYSICS

۱۔ طبیعیات

کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر میں اگر تفکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ خیالات یعنی اسلٹ (INFORMATION) تمام موجودات میں قدر مشترک رکھتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی کو ہر آدمی، ہر حیوان اور نباتات و جمادات پانی سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس سے استفادہ کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی کرتا ہے جس طرح پانی کو پانی کہا جاتا ہے اسی طرح آگ ہر مخلوق کے لئے آگ ہے۔ آدمی اگر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو بکری، بکوز، شیر اور حشرات الارض بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک آدمی سفاس پسند کرتا ہے، دوسرا طبعاً مٹی کی چیزوں کی طوط مائل نہیں لیکن یہ ہر دو شخص میں کوشٹھا اور نمک کو نمک کہنے پر مجبور ہیں۔ یہ یہ جلاک جہاں آدمی خیالات اور تسورات میں قدر مشترک رکھتے ہیں وہاں وہ خیالات میں اپنی مرضی اور فشار کے مطابق محالی پہنانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ سوال کہ کیا ہم اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور کیا دوسروں کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں اسے جواب میں عرض ہے کہ آپس میں خیالات کی منتقلی کا نام ہی زندگی ہے۔ ہم اپنے سے علاوہ دوسرے فرد کو صرف اس لئے پہچانتے ہیں کہ اس کے شخص کے خیالات میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اگر زندگی کے خیالات اور خیالات کا مجموعہ زندگی، بکر کے دماغ کی اسکرین پر نہ ہو تو بکر زید کو نہیں پہچان سکتا۔ درخت کی زندگی میں کام کرنے والی وہ ہوسری جن کے اوپر درخت کا وجود قائم ہے اگر آدمی کے منتقل نہ ہوں تو آدمی درخت کو نہیں پہچان سکے گا۔

شاہد اور مشہود | دیکھنے اور سمجھنے کی طرز میں دورخ ہر قائم ہیں۔ ایک براہ راست اور دوسری بالواسطہ۔ بالواسطہ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ ہم علمی اعتبار سے دو وجود کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وجود شاہد یعنی دیکھنے والا، دوسرا وجود مشہود جو دیکھا جا رہا ہے۔ ایک

آدمی جب بکری کو دیکھتا ہے تو یہ الفاظ درگزر وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں بکری کو دیکھ رہا ہوں یہ بالواسطہ دیکھنا ہے۔ دوسری طرز یہ ہے کہ بکری ہمیں دیکھ رہی ہے اور ہم بکری کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں یعنی بکری کی زندگی کو قائم کرنے والی ہمیں ہمارے دماغ کی اسکرین پر بصورت اطلاع وارد ہوتی ہیں۔ دماغ نے ان اہروں کو نقش و نگار میں تبدیل کیا اور جب یہ نقش و نگار شعور کی سطح پر نمودار ہوئے تو بکری کی صورت میں مظہر بن گئے۔ قانون روحانیت کی رو سے فی الواقع براہ راست دیکھنا ہی صحیح ہے اور بالواسطہ دیکھنا محض مفروضہ (FICTION) ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور سے ارشاد فرماتے ہیں:

” اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں، تیری طرف، وہ کچھ نہیں دیکھ رہے“ آیت مقدسہ کے مفہوم پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ وہ دیکھ رہے ہیں لیکن باوجود دیکھنے کے وہ کچھ نہیں دیکھ رہے۔ حاصل کائنات، فخر موجودات سیدنا حضور علیہ السلام کے قدسی نفس شخص میں اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات اور انوار کام کر رہے ہیں وہ لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہیں اور ان تجلیات اور انوار کو نہ دیکھتا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب کچھ نہ دیکھتا ہے۔

اپنی حدود میں رہتے ہوئے براہ راست دیکھنے کی طرز رکھنے والے جن بزرگوں نے حضور علیہ السلام کے اندر موجود انوار و تجلیات کا شاہد کیا وہ حضور کے ہم خیال بن گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ براہ راست دیکھنا کسی بندے میں قلیل تھا اور کسی بندے میں زیادہ۔

مثالی طبیعتی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جدوجہد اور کوشش کر کے براہ راست

دیکھنے کی طرز سے قریب ہو جائے۔ جن حدوں میں وہ براہ راست طرز نظر سے وقوع حاصل کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ اپنی جو خیالات بناتا ہے اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ عجیب سبب ہے کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ ابتدا اطلاعات میں معانی پہنانا الگ الگ صنف ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معانی میں دونوں کے اندر قدر مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کا الگ الگ معانی پہنانا دونوں کا جدا جدا صنف ہے۔

آپ کا یہ سوال کہ ٹیٹھی کو جاسوسی میں کیوں استعمال نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ٹیٹھی کے ذریعے سبب سے راز کیوں نہیں معلوم کئے جاتے، اس کے بارے میں ایسے شہد موجود ہیں کہ پہناٹزم کے ذریعے یورپ میں بڑے بڑے آپریشن کر دیئے جاتے ہیں اور مریض کو کلیف کا احساس بائیکل نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔ پہناٹزم اور ٹیٹھی ایک ہی قبیل کے دو علم ہیں۔ ان کا منبع اور مخزن ایک ہے یعنی خیالات کے اوپر گرفت کا مضبوط ہونا۔

ایسے صاحب روحانیت جو ٹیٹھی کے قانون سے واقف ہیں وہ آزاد ذہن ہوتے ہیں۔ انہیں کیا قدرت پڑی ہے کہ وہ جاسوسوں کو پکڑتے پھر ہی اور پولیس کا کردار انجام دیں۔ البتہ یہ بات عام طور پر مشاہد سے میں آئی ہے کہ کوئی بندہ کسی صاحب روحانیت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بندے کے دماغ میں جو کچھ تھا وہ انہوں نے دانستہ انداز سے طور پر سب ان کر دیا۔

اہرام مصر کی اور کیوں قائم ہوئے اور ان کو تیس لاکھ تراشے ہوئے پتھروں سے کس طرح بنایا گیا جب کہ ہر چٹان کا وزن ستر ٹن ہے۔ اور یہ زمین سے نہیں پائیس فٹ کی بلندی پر نصب ہیں۔ اور ان اہرام کا فاصلہ کم سے کم پندرہ میل اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو میل ہے یعنی جن پتھروں سے اہرام مصر کی تعمیر ہوئی وہ پانچ سو میل دور سے لائے گئے تھے۔

میرے بھائی! کسی صاحب مراقبہ کو یہ بات معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن ان کے سامنے اس سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ روز ہوتے ہیں اور وہ ان روز کی تجلیات میں مجھ سے متفرق رہتے ہیں۔

ایک بزرگ رسپا (RAMPA) خیالات کی بہروں کے علم سے واقف رکھتے ہیں۔ انہوں نے ماہرین آثار قدیمہ کے اصرار پر یہ انکشاف کیا ہے کہ میں ہزار سال پہلے کے وہ لوگ جنہوں نے اہرام مصر بنائے ہیں آج کے سائنس دانوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور وہ ایسی ایجادات میں کامیاب ہو گئے تھے جن کے ذریعے پتھروں میں سے کشش ثقل ختم کر دی جاتی تھی۔ کشش ثقل ختم ہو جانے کے بعد چٹان یا ٹوٹن وزنی چٹان ایک آدمی اس طرح اٹھا سکتا ہے جیسے پتھر سے بھرا جوا ایک تکیہ۔

اسی طرح سائنس کی دنیا میں ایک اور بزرگ جناب ایڈگر کیسی کے مطابق ان پتھروں کو ہوا میں تیرا کر (FLOAT) موجودہ جگہ بھیجا گیا ہے۔

اہرام مصر کے سطلے میں ان دانشور بزرگوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بہروں کی منتقلی کے اس قانون کے مطابق ہے جس کو ٹیٹھی کہا جاتا ہے۔

دماغی کشمکش

ہمارے اسلاف میں ایک بزرگ شاہ ولی اللہؒ گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ اس برم میں توڑ دیے گئے تھے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا۔ شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ جسم انسانی کے اوپر ایک اور انسان ہے جو روشنیوں کی ہمسروں سے مرکب ہے جس کا ہسٹلاچی نام انہوں نے لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے یہ بات واضح دلیل کے ساتھ بتائی ہے کہ اصل انسان نسر یعنی AURA ہے۔ جنی بیماریاں، اٹھینیں اور پریشانیوں انسان کے اوپر آتی ہیں وہ نسر میں ہوتی ہیں۔ گوشت پوست سے مرکب خالی جسم میں نہیں ہوتیں۔ البتہ نسر کے اندر موجود کسی بیماری یا پریشانی کا منظر ہر جسم پر ہوتا ہے یعنی جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور نسر منسلک ہے۔ فلم میں سے اگر داغ دھبوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین پر تصویر واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر نسر کے اندر سے بیماری کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس بات کی بھی تشریح کی ہے کہ آدمی اطلاعات، انفارمیشن یا خیالات کا مجموعہ ہے۔ صحت مند خیالات پر کون زندگی کا پیش خیمہ ہیں۔ اس کے برعکس اضلال پریشانی، اعصابی کشاکش، دماغی کشمکش اور نئی بیماریاں خیالات میں چھپدی،

۱۱۳
پر انگڑا اور تخریب کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ یہ سب سستی چوں کہ انفارمیشن، خیالات یا اطلاع کو جاننے کا علم ہے اس لئے یہ علم سیکھ کر کوئی بندہ خود بھی انجمنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

یٹلی بیٹی کی علمی توجیبہ کے سلسلے میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے کا قیام ہر لوں پر ہے۔ بالفاظ دیگر کائنات میں موجود ہر شے کی زندگی ہر لوں پر رواں دواں ہے اور ان ہر لوں کا معین مقدر لوں سے الگ الگ مخلوق تخلیق پاتی ہے۔ معین مقدر لوں کے ساتھ کہیں یہ ہر لوں نکلائی بن جاتی ہیں، کہیں لوہا، کہیں پانی۔

مثال: ہم پانی کو دیکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ پانی ہے جب کہ ہمارے دماغ پر یا جسم پر پانی کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا یعنی ہمارا دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ اسی طرت ہم پتھر کو پتھر کہتے ہیں جب کہ پتھر کا وزن ہمارا دماغ محسوس نہیں کرتا۔ بات وہی ہے کہ پانی کے اندر کام کرنے والی ہر شے کی سستی کے اصول پر جب ہمارے دماغ میں منتقل ہوتی ہیں تو ہم اس کو پانی کہہ دیتے ہیں۔

کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس چیز کے اندر کام کرنے والے اوصاف، اس کی حقیقت اور اس کی ماہیت سے واقف حاصل ہو اور واقف سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ذمہ ہر لوں کے علم سے واقفیت ہو بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہوں کہ ہر شے بخیر نہیں ہوتی، وہ متحرک ہوتی ہیں۔ اور ان کی حرکت زندگی کے اندر کام کرنے والا ایک تقاضا ہے۔ اور ان تقاضوں سے زندگی کے اجزاء مرتب ہوتے ہیں۔ ہر ہر اپنے اندر ایک وصف رکھتا ہے اور اس وصف کا نام ہم طاقت (FREQUENCY) رکھتے ہیں۔ کسی طاقت سے فائدہ اٹھانا اس وقت ممکن ہے جب ہم اس کے استعمال سے

واقع ہوں۔ اسی وقت کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کا نام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے نعمان کو حکمت دی تاکہ وہ اسے استعمال کرے اور جو لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں انہیں ناکندہ پہنچاتا ہے اور جو لوگ اس کا کفران کرتے ہیں وہ خسارے میں رہتے ہیں۔"

قرآن پاک پوری نوبت انسانی کے لئے منبع ہدایت ہے۔ جو لوگ حکمت کے قانون میں ٹھیک کرتے ہیں اور اس کی ماہیت میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں مرکوز کر دیتے ہیں ان کے اوپر طاقت کے استعمال کا قانون منکشف ہو جاتا ہے۔ اور نئی سے نئی ایجادات مظاہرین کر سانسے آتی رہتی ہیں۔ کبھی استعمال کا یہ قانون ایٹم بم بن جاتا ہے اور کبھی ریڈیو اور ٹی وی کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے لوہا نازل کیا اور اس کے اندر لوگوں کے لئے بے شمار فوائد رکھ کر نازل فرمائے۔ اور لوہے کا تقاضا ہے اور اپنی بے پناہ آگ پر آئسو بہانے کا مقام ہے کہ جو جو سائنس کی ہر ترقی میں لوہے کا وجود زیر بحث آتا ہے۔ جین لوگوں نے لوہے کی خصوصیات اور اس کے اندر کام کرنے والی ہروں کو تلاش کر لیا۔ ان کے اوپر یہ راز منکشف ہو گیا کہ بلاشبہ لوہے میں نوبت انسانی کے لئے بے شمار فوائد مضمر ہیں۔"

ایسی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو محض ایصالِ ثواب اور معمولی برکت کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قرآن پاک میں تفسیر کائنات سے متعلق جو فائدہ مولے بیان ہوئے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جین لوگوں نے تفسیر کائنات سے متعلق فارمولوں کے

روزِ ذمکات پر سیرچ کی اور اس کوشش میں اچھا ندرنگی کے ماہِ سال شکر کرئیے انہیں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی ہے
خرد کے پاس فہرے کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

ٹیلی پتی کا تیسرا سبق

یہ بات آپ جان چکے ہیں کہ ماورائی علوم سے کھینچنے کے لئے بطور خاص منتشر خیالات سے خود کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ جب خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو دماغ پاک ہو جاتا ہے۔ جن حضرات نے پہلے سبق کی تکمیل نہیں کی ہے انہیں چاہئے کہ پہلے سبق کی تکمیل کے بعد دوسرا سبق شروع کریں۔ اسی طرح جب تک دوسرے سبق کی تکمیل نہ ہو تیسرا سبق شروع نہ کیا جائے۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائی ہیں۔ جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں اسی طرح ہر آدمی کی صلاحیت بھی الگ الگ ہے۔ کسی کے اندر صلاحیت بہت زیادہ ہے، کسی کے اندر صلاحیت زیادہ ہے اور کسی بندے کے اندر صلاحیت کم ہوتی ہے۔ کم صلاحیت لوگوں کو زیادہ صلاحیت لوگوں کی کایسانی سے خوش ہونا چاہئے۔

احساس کتری میں جتنا ہونا دراصل اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگا دینے کے مترادف ہے۔ جن لوگوں کو کایسانی کم ہوتی ہے یا وہ اچھی ناک کایساب نہیں ہوتے ہیں انہیں بدول ہونے کی بجائے اور زیادہ ذوق و شوق سے کوشش کرنی چاہئے۔ کایسابی یقینی ہے صفا ہمت مردان مدد خدا ذہنی یک سوئی حاصل کرنے کے لئے تیسرا سبق یہ ہے :-

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے ہاتھ کے نٹھے کو بند کر لیں اور بائیں نٹھے سے سات سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا نٹھا چھٹکا سے بند کر لیں اور پندرہ سیکنڈ کے بعد اٹھ نٹھے سے سات سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا یعنی سات سیکنڈ سانس لینا، پندرہ سیکنڈ سانس روکنا اور سات سیکنڈ باہر نکالنا۔ اسی طرح پندرہ مرتبہ اس عمل کو دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی خالی معدہ صبح سوزج سکنے سے پہلے اور رات کو سونے سے پہلے خالی پیٹ کرنی چاہئے۔ مشق کرنے والے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ رات کا کھانا بہت ہلکا اور سرشام کھائیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد آلتی پالتی رنگوں کی نشست مار کر بیٹھ جائیں یا اس طرح بیٹھیں کہ اعصاب ڈھیلے اور پرسکون رہیں۔ اب اس تکمیل بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ ایک حوض ہے اور اس حوض میں پارہ (MERCURY) بھرا ہوا ہے اور آپ حوض میں پارہ کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب اس تصور میں گہرائی واضح ہو جاتی ہے تو پہلے پارے کا احساس مرتب ہوتا ہے اور جب یہ احساس گہرا ہوتا ہے تو دماغ پر پارے کا وزن محسوس ہوتا ہے۔ دماغ میں نغسرتی لہریں پھیلنے لگیں گی اور پھر کئی نظر آتی ہیں۔ جب بند انگلیوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس مشق کو کھلی انگلیوں سے کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا پارے کے حوض کے اندر ڈوبی ہوئی ہے جب یہ بات مشاہدے میں آجائے تو سمجھ لیجئے کہ اس مشق کی تکمیل ہو گئی ہے۔

نوٹ: مراقبہ برف کرنا کیا جائے کہوں کہ اس طرح تیند غالب آجاتی ہے اور وہ کیفیات جو بیداری میں سامنے آتی چاہئیں خواب میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

سائنس کا عقیدہ

ضوانہ

سوال: بقول آپ کے ٹیلی پتھی جانتے والا اگر زبان بچھ سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات پڑھ سکتا ہے تو ایسا ہونا کس طرح ممکن ہے کیوں کہ ہمارا عام مشاہدہ یہ ہے کہ آدمی جب کوئی بات سوچتا ہے تو اس کی سوچ کا دائرہ مادری زبان کے الفاظ میں محدود ہوتا ہے مثلاً یہ کہ ہم انگریزی میں ایک مضمون لکھنا چاہتے ہیں اور ہماری مادری زبان اردو ہے تو مضمون کا خاکہ یا مضمون کے اندر مفہوم جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے دماغ میں مادری زبان میں وارد ہوتا ہے۔ اور ہم اس مادری زبان کو انگریزی الفاظ کا جاسا رہنما دیتے ہیں۔

جواب: سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر موجود ہر شے کی بنیاد یا قیام ہسٹریاروشی کے اوپر ہے۔ جب ہر شے شعاعوں یا لہروں کا مجموعہ ہے تو ہم شعاعوں یا لہروں کو دیکھ کر یا سمجھ کر بغیر یہ کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ درخت ہے یا یہ پتھر ہے یا یہ چیز پانی ہے۔ ہم جب کوئی پھول دیکھتے ہیں تو ہمارے دماغ پر پھول سے متعلق خوبصورتی، خوشبو، ذہنت و انبساط کا تاثر قائم ہوتا ہے حالانکہ ہم نے ابھی پھول کو نہ چھوا ہے، نہ سونگھا ہے۔ اسی طرح جب ایک ایسے آدمی کا چہرہ ہمارے سامنے آتا ہے جو طبعاً مخرب پسند ہے یا ہم سے مخالفت

اس سے نقصان پہنچتا ہے کہ دماغ بیداری کی بجائے خواب دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور خواب میں دیکھی ہوئی باتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط قائم رکھنا مشکل امر ہے۔

رکھتا ہے تو اس آدمی کے خیالات سے ہم متاثر ہوتے ہیں اور ہماری طبیعت کے اوپر اس کا رد عمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کوئی آدمی ہم سے دلی تعلق رکھتا ہے، اسے دیکھ کر ہماری طبیعت میں اس کے لئے محبت اور انسان شناسی کے جذبات اُبھرتے ہیں حالانکہ ان دونوں آدمیوں میں سے کسی نے مجھ ہمارے ساتھ نہ کوئی بات کی ہے اور نہ میں کوئی تصفیح یا نعت پہنچایا ہے۔

دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن جب پانی کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہر آدمی اُسے پانی سمجھتا ہے جس طرح ایک اردو داں اسے پانی سمجھتا ہے۔ اسی طرح دوسری زبانیں بولنے والے جبل، آب، آواز، مار وغیرہ کہتے ہیں۔ لیکن پانی پانی ہے۔ جب کوئی اردو داں کسی انگریز کے سامنے لفظ درخت کہتا ہے تو اس کے ذہن میں درخت ہی آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انگریز اس کو TREE کہتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ پر جب ہم آگ کا تذکرہ کریں گے تو اس خطے پر بولی جانے والی زوریا زبان کچھ بھی ہو لوگ اُسے آگ ہی سمجھیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ماہیت، خواص اور اپنے افعال سے پہچانی جاتی ہے، نام کچھ بھی رکھا جائے۔ ہر چیز کو خاص نام ہے۔ اسی امر میں کو روشنی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ شیشی یعنی کاسل اصول بھی ایسا ہے۔ جس طرح پانی بہوں اور روشنیوں کا مجموعہ ہے اسی طرح خیالات بھی بہوں کے اظہار ہیں۔ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارے خیالات کے اندر کام کرنے والی ہر اس چیز میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جب کسی آدمی کی طرف متوجہ ہو کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم پیاسے ہیں تو دوسرا آدمی اس بات کو سمجھ جاتا ہے حالانکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ میں پانی پلاؤ۔

درخت بھی گفتگو کرتے ہیں خیالات کو سمجھنے اور خیالات میں معانی پہنچانے کے لئے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن اگر کائناتی لاشعور کا مطالعہ کیا جائے تو یہ عقیدہ کھلتا ہے کہ الفاظ کا سہارا لینا ضروری نہیں ہے۔ درختوں، چوپایوں، پرندوں اور زندگی اور مشرقات الارض کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ یہ سب باتیں کرتے ہیں اور سب اپنے خیالات کو آپس میں رد و بدل کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ کا سہارا نہیں لیتے۔ موجودہ زمانے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ درخت بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ درخت کو سستی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اچھے لوگوں کے ساتھ سے درخت خوش ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی قربت سے جن کے دماغ پیچیدہ اور تخریب پسند ہیں، درخت ناخوش ہوتے ہیں۔ یہ بات میں اپنے شاہد کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ میں نے ایسے گھر دیکھے ہیں کہ اُس گھر کے باہمی ذہنی طور پر نہایت پس ماندہ اور متعفن خیالات کے حامل تھے۔ اس گھر کے درختوں کے پتوں میں اور درختوں کی شاخوں میں ان کا عکس نظر آتا تھا۔ ان درختوں کو دیکھ کر طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ زبان دراصل خیالات میں اور خیالات ہی اپنے معنی اور مفہوم کے ساتھ نوع انسانی اور دوسری تمام نوعوں میں رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ الفاظ کا سہارا اور اصل شعوری کمزوری کی علامت ہے۔ اس لئے کہ شعور الفاظ کا سہارا لئے بغیر کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتا۔ جب کوئی بندہ بلی سمیٹا کے اصول و ضوابط کے تحت خیالات کی منتقلی کے علم سے قوت حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہو جاتی ہیں چاہے کوئی خیال الفاظ کا سہارا لے کر منتقل کیا جائے یا کسی خیال کو بہروں کے ذریعے منتقل کر دیا جائے۔ ہر آدمی کے اندر ایسا کمپیوٹر نصب ہے جو خیالات کو معنی

کیفیات و واردات سبق ۳

آفتخار احمد نجفی، سوہدرہ —

۱۸۔ اکتوبر: جب میں نے پارہ کے تالاب کا تصور کیا تو شروع شروع میں مجھے مسلسل نور کی بارش نظر آتی رہی کیوں کہ ذہن نور کی بارش کا عادی ہو چکا تھا۔ پھر ستھوری دیر بعد میں نے دیکھا کہ یہ نور کی بارش مرکزی (پارہ) سے بھرے ہوئے تالاب میں گر رہی ہے۔ پھر یہ بارش گرنا بند ہو گئی اور میرے سامنے پارہ سے بھرا ہوا تالاب ہی رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں پارہ کے تالاب کو دیکھنے دیکھتے خود پارہ میں تبدیل ہو گیا ہوں۔

مشق کے دوران دیکھا کہ پارہ کے چھوٹے چھوٹے تالاب ہی تالاب پھیلتے پھلتے ہیں اور میں ان کے اوپر سے اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔ پھر میں ان میں سے ایک تالاب کے اپنے کمرے میں بیٹھا ہوں اور اسے دیکھنا شروع کر دیتا ہوں۔

۲۰۔ اکتوبر: مرکزی (پارہ) کی ایک بہت بڑی لہر زمین پر نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری زمین پر پھیل گئی۔ لہر کے گزرنے کے بعد زمین پر جا جا چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ گئے جن میں مرکزی بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے میں اس میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔

اور مہموم بہت کرانگ الگ کر دیتا ہے اور آدمی اس مہموم سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرنا ہے بار دکر دیتا ہے۔

۵۔ نومبر : سیٹی بھٹی کے تیرے سبق کی مشق کر رہا تھا کہ میں نے خود کو پارہ (مرکری) کے وسیع اور لامحدود سمت در میں ڈوبے ہوئے محسوس کیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کیا اور دیکھا کہ میں زمین کے اوپر پرواز کر رہا ہوں اور میرے نیچے کھیت ہیں جن میں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اڑتے اڑتے نظر دل کے سامنے پارہ سے بھری ہوئی ایک نہر آگئی جس میں سے مرکزی لائٹ کی بسریں نکل رہی تھیں۔

۹۔ نومبر : خود کو مختلف علاقوں میں سیر کرتے ہوئے پایا۔ نظر آنے والی دو چیزوں میں قدرت کے دل فریب مناظر، بارون اور گیلگاتے شہر، خوبصورت عبادت گاہیں، ندیاں اور کئی کئی منسلک خوبصورت عمارتیں شامل تھیں۔ یہ سب چیزیں ذہن میں خود بخود ہی منقش ہو گئیں۔ مجھے آج تپہ چلا کہ ذہنی سکون کیا ہے۔

دروازہ کھلا

سید اصغر علی ظفر، گوجرانوالہ

۶۔ نومبر : ٹیلی پھیٹی کی مشق کے دوران خود کو ایک صحرا میں کھڑے دیکھا اتنے میں سفید لباس میں جلوس دو نہایت حسین عورتوں پر نظر پڑی جو کچھ فاصلے پر کسی کام مشغول تھیں۔ میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک اپنی نظر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر سے مٹی چن رہی ہیں میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مجھے کیوں دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنی بسری سامنے کا انتظار تھا، وہ ابھی تک نہیں آئی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کا وہ سامنے

۲۱۔ اکتوبر : میں نے خود کو پارے کے حوض میں ڈوبتے دیکھا۔ مجھے لگا اس جوا کہ پارے کے حوض میں نیچے سے نیچے چلا جا رہا ہوں لیکن حوض کی گہرائی ختم نہیں ہوتی۔ پھر میں نے حوض کے اندر گہرائی میں ادھر ادھر اڑنا شروع کر دیا۔ اڑتے اڑتے حضور اکرمؐ کا روضہ اقدس میرے سامنے آگیا۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے پارے سے تباہی کا روضہ نور سے بھرا ہوا ہے اور درو دیوار سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ٹوٹی تو دیکھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ پھر میں دوبارہ مراقبے میں چلا گیا۔ دیکھا ہوں کہ پارہ کے حوض کے اندر ایک بہت بڑا محل ہے جس کی ہر دیوار اور ہر چیز سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ حتیٰ کہ محل کے اندر جو بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کی پیشانی اور دائرے بلکے سارے جسم سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ بسری آنکھیں اتنی زیادہ روشنی کی تاب نکال کر خیرہ ہو گئیں اور مراقبہ ختم ہو گیا۔

۲۳۔ اکتوبر : مراقبے میں حوض کا تصور قائم کیا تو حوض کی بجائے میرے سامنے پارہ کا وسیع سمندر آگیا۔ اس کی شعاعیں بہت چمک دار تھیں اور ان شعاعوں کا رنگ مرکزی جیسا تھا۔ اس دوران کسی نے زور سے دستک دی اور مراقبہ ٹوٹ گیا۔ پھر میں نے دوبارہ مراقبہ شروع کیا تو بہت آسانی سے بسری آنکھوں کے سامنے پارہ کا حوض آگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس حوض میں پارہ کا ایک نالہ آکر گڑھا ہے۔ میں نے اس نالہ کے اوپر پارہ شمال کی طرف اڑنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد میں پارہ سے بھرے ہوئے ایک سمندر میں پہنچ گیا۔ اس کی شعاعوں کا رنگ حوض کی شعاعوں سے زیادہ چمک دار تھا۔

کی مچھلیاں تیر رہی ہوتی ہیں۔ میں بھی وہاں پر تیرتا ہوں۔ آج ہر طرف پارہ ہی پارہ دیکھا لیکن پارے کے سمت در میں مچھلیاں، مگر مچھ اور کھوسے وغیرہ نظر آئے۔

۲۔ جون : شومی قسمت سے آج چھت پر مراقبہ شروع کیا۔ دس منٹ ہی نہ گزرے تھے کہ تیز آندھی چلنے لگی۔ پھر نیچے آکر مراقبہ شروع کیا۔ پہلے صبحی بکسوں کی قائم نہ ہو سکی تاہم محدود کیفیت کے اندر ایک تالاب پارے سے بھرا ہوا نظر آتا رہا۔ بے دلی کے ساتھ مراقبہ ختم کر دیا۔

۵۔ جون : سانس والی مشق کے دوران خیالات آتے رہے۔ حوض کا تصور کیا تو ایک چھوڑ سات کے قریب تالاب نظر آئے۔ آخری تالاب سب سے چھوٹا تھا اور پہلا تالاب سب سے بڑا تھا۔ میں اس میں غوطہ لگا کر نیچے بیٹھ گیا۔

۶۔ جون : حوض کا تصور کیا تو لفظ اللہ نظر آیا۔ جس کے اندر پارے سے بھرے ہوئے تنوکے قریب حوض ہوں گے۔ پھر جانک لفظ اللہ، مُحَمَّدٌ میں تبدیل ہو گیا۔ پھر یہ بھی تبدیل ہو کر الف (ا) بن گیا۔ میں اس کے اندر جذب ہو کر باہر آیا تو دیکھتا ہوں الف پھیل کر لمبائی میں افق تک پہنچ گیا ہے۔ پھر اس میں سے لاوے کی طرح پارہ اُبٹنے لگا۔ پھیلنے ہوئے اس پارے میں درخت بھی ڈوب گئے۔

دانانگنج بخش کامنزار

ایک طالب

پارے کے حوض میں ڈوب جانے کی مشق کی تو دماغ پر بوجھ ہو گیا۔ پارے کے حوض کا تصور بن کر گر جاتا ہے اور کبھی کافی اچھا تصور ہو جاتا ہے اور کبھی مشکل

بھی آگئی۔ اور وہ تینوں ادھر کی طرف پرواز کر گئیں۔ میں نے بھی ان کے تعاقب میں اڑنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے پیچھے ایک بہت خوبصورت دروازے تک جا پہنچا۔ عورتوں نے دستک دی، دو سپاہیوں نے دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئیں۔ سپاہیوں نے مجھے روک دیا لیکن ان عورتوں نے سپاہیوں سے کہہ کر مجھے اندر آنے دیا۔

دروازے کے اندر ایک مرگ سی جس کے دونوں طرف پودے اور فوارے لگے ہوئے تھے۔ فواروں سے پانی اُبل کر مرگ پر گر رہا تھا۔ ہم اس مرگ پر آگے بڑھتے گئے۔ لیکن فوارے کے پانی سے بچنے نہیں۔

آخری تالاب

نور احوان، راولپنڈی

۳۔ مئی : تصور قائم نہیں ہو رہا تھا۔ اگر کبھی ہوتا تو جلد ہی ٹوٹ جاتا۔ سوچا کہ قلندریا سے مدد لینی چاہئے۔ یہ سوچا ہی تھا کہ قلندریا یا تشریف لائے۔ آپ نے آتے ہی مجھے ایک زوردار پیٹھ مارا جس کی بوٹ سے میں گر گیا۔ دیکھا وہ پارے سے بھرا تالاب تھا جس میں میں گر گیا تھا۔ اور یوں تصور قائم ہو گیا۔

۴۔ مئی : تصور قائم ہوا تو دیکھا کہ قلندریا بابا ادبیا مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ سامنے ایک تالاب ہے۔ فرمایا اس میں کود جاؤ۔ جب میں اس میں داخل ہوا تو تالاب کے اندر سے ایک مگر مچھ باہر نکلتا ہے۔ میں اس تالاب سے باہر نکلتا ہوں تو آپ مسکراتے ہوئے مجھے ایک دوسرے تالاب میں لے جاتے ہیں۔ یہاں سنہری رنگ

کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ کئی بار دنیا کے گرد گھومی۔

۱۰۔ جنوری : آج مراقبہ شروع کیا تو دیکھا کہ پوری دنیا ایک چھوٹے گوٹے کی شکل میں تبدیل ہو کر پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی تیر رہی ہے۔ پھر میں نے خود کو زمین کے ساتھ پایا اور پوری دنیا پارہ سے میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا منگ پارہ پر سوار ادھر ادھر ڈول رہا ہے اور پارہ کی اہریں مجھ سے ٹکرا رہی ہیں۔

۱۱۔ فروری : مجھے کئی آنکھوں سے اپنا دل نظر آیا۔ اس کے اندر دیکھا تو پوری دنیا پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ ساری دنیا میں پارہ کا طوفان اٹھا ہوا ہے اور برسات لینیا آئی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس نعت میں گہرائی بڑھتی گئی اور ساتھ ساتھ سر پر ایک بوجھ محسوس ہوا۔ کنپٹیوں پر ایسا لگا کہ ان پر درد کی ٹیسلیں ٹپ رہی ہیں۔ پھر یہ تیس ختم ہوئیں اور میں سو گیا۔

۱۲۔ فروری : آج مراقبہ شروع کرنے سے پہلے سانس کی مشق کی تو تھوڑی سی گرمی شروع ہوئی جو ہر سانس کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔ آخر سانس نکالتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ میری سانس کے ساتھ آگ کی پست نکل رہی ہے اور ریڑھ کی ہڈی میں کوئی چیز ہل رہی ہے۔ پھر مراقبہ کیا تو حسب معمول فوراً ہی تصور بند ہو گیا اور طبیعت پر سکون ہو گیا۔

ہدایت :

مراقبہ کرنے سے پہلے ایک گلاس پانی میں شہد گھول کر پی لیا کریں۔ پانی آہستہ آہستہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئیں۔ کھانوں میں نمک کی مقدار کم کر دیں۔

سے خفا ہے اور پارے کا حوض کبھی کبھی اتنا اچھا لگتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس میں ڈوبی رہوں لیکن دماغ پر پارے کا وزن کافی محسوس ہوتا ہے۔ اور طبیعت بکتر رہی ہو جاتی ہے، نیز اس نعت میں نسبت گجا آجاتی ہے۔

مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار کی جالیوں میں نور کی کرنیں جمع ہو رہی ہیں۔ دیواریں بہت خوب صورت اور دیدہ زیب ہیں اور ان پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہے اور میں اس کو سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر شدت جذبات سے اور رونے کی وجہ سے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ یہ کیا ہے۔

۱۳۔ اپریل : ایسا محسوس ہوا جیسے گردن سر کا بوجھ نہیں سنبھال سکے گا۔ بہر حال مشق جاری رکھی اور پارے کے حوض کا تصور قائم ہو گیا۔ اور دیکھا کہ میں رسول خدا کے پاس مبارک سے پست کر خوب رو رہی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر پر اپنا دست پاک دھڑک رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "خدا تمہیں کامیابی دے گا"

آگ کی لپیٹ

محمد عمران کلیم

رات کو مراقبہ کیا تو نسوی مزاحمت اس حد تک بڑھ گئی کہ سر ایک بھاری بہتر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد مطلع صاف ہوا تو دیکھا کہ پارے کی ایک بڑی لہر اٹھی اور پوری دنیا اس کے اندر ڈوب گئی۔ جب وہ لہر گزر گئی تو پارے کے کئی حوض دیکھے۔ پھر دیکھا کہ ایک بڑی لہر آئی جس کے اوپر نور تھا اور نیچے پارہ۔ نے پوری دنیا

دوسرے رُخ کا نام محوری حرکت ہے۔ یعنی زمین جب اپنے مدار پر سفر کرتا ہے تو وہ طولانی گردش میں چمپی ہو کر چلتا ہے اور محوری گردش میں ٹوکی طرح گھومتی ہے۔

بہرہذا دوسرے رُخ پر قائم ہے۔ ایک رُخ ہمیں گوشت کی آنکھ سے نظر آتا ہے اور دوسرا رُخ ہم باطنی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ دو رُخ دراصل دو حواس ہیں۔ حواس کے ایک رُخ کا نام شعور اور دوسرے رُخ کا نام لاشعور ہے شعوری حواس میں ہم ٹائم اسپیس (TIME and SPACE) میں بست ہیں اور لاشعوری حواس میں ہم ٹائم اسپیس سے آزاد کر دیتے ہیں۔

یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں۔ ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحہ پر عبارت میں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور دوسرے صفحہ پر دھندلی اور غیسروارح نظر آتی ہے۔ دھندلی اور غیر واضح تحریر لاشعور ہے۔

ہم جب کوئی ماورائی چیز دیکھتے ہیں تو دراصل یہ صفحہ کی دھندلی تحریر کا عکس ہوتا ہے۔ ہوتا ہے کہ وہ نظر جس کو تیسری آنکھ کہا جاتا ہے، کھل جاتی ہے۔ چونکہ اس طرح دیکھنا ہماری روزمرہ دیکھنے کی عادت کے خلاف ہے، اس لئے شعور پر ضرب پڑتی ہے۔ اس عادت کو معمول پر لانے کے لئے ہمیں شعوری حواس کے ساتھ لاشعوری حواس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ جیسے جیسے ہم لاشعوری حواس میں دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں، شعور کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے زمین اپنی طولانی اور محوری گردش میں چلا رہی ہے۔ طولانی گردش TRIANGLE ہے اور محوری گردش دائرہ (CIRCLE) ہے۔

باطنی آنکھ

راہ محمد نوید، لاہور

سوال: میں نے بگلی سیتی کی جیتی کتاب میں پڑھی ہے سب میں ہدایت لگائی ہے کہ شیلی سیتی کی مشقیں شمال رُخ منکر کے کی جائیں۔ مشقیں شیلی سیتی کے لئے آپ نے اب تک جتنے اسباق لکھے ہیں ان میں سے کسی بھی سبق میں سمتوں کے تعین کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ سوال یہ ہے کہ مشقوں کے دوران شمال رُخ منکر کے مینیا اگر فروجا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور آپ نے سمتوں کا تعین کیوں نہیں کیا؟

جواب: آدمی کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ ظاہر حواس بناتا ہے اور دوسرا دماغ ظاہر حواس کے پس پردہ کام کرنے والی اس جگہ کی تحریکات کو منظم پر لانا ہے جو ظاہر حواس کے الٹ ہے۔ جن حواس سے ہم کشش و ثقل میں چند چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس میں ہم کشش و ثقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اس کا نام لاشعور ہے۔ شعور اور لاشعور دونوں ہر دو طرفیہ ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی ہر مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہے۔ اور لاشعوری حواس میں کام کرنے والی ہر دائرہ (CIRCLE) ہوتی ہے۔

زمین کی حرکت دو رُخ پر قائم ہے۔ ایک رُخ کا نام طولانی حرکت ہے اور

تصور کی صحیح تعریف

جمشید احمد و محمد صفدر، راولپنڈی

سوال: آپ نے ٹیلی میٹھی کی جو مشقیں تجویز کی ہیں ان میں تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تصور سے آپ کی کیا مراد ہے اور تصور کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیا مشق کے دوران خود کو ترغیبات دینا ہے کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ روشنی یا نور کا سمندر ہے اور ساری کائنات اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے یا تصور سے کچھ اور مراد ہے؟

جواب: روزمرہ کا شاہدہ یہ ہے کہ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز یا اس کے اندر سخوبیت ہمارے اوپر آشکارا ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز ہمارے سامنے ہے لیکن ذہنی طور پر ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ پس منظر ہمارے لئے بسا اوقات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم گھر سے دفتر جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جب ہم گھر سے روانہ ہوتے ہیں تو ہمارے ذہن کی مرکزیت صرف دفتر ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہیں وقت مقررہ پر دفتر پہنچنا ہے اور وہاں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ اب راستہ میں بے شمار مختلف انواع چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور انہیں ہم دیکھتے ہیں لیکن دفتر پہنچنے کے بعد کوئی صاحب اگر ہم سے سوال کریں کہ راستے میں آپ نے کیا کچھ دیکھا تو اس بات کا ہمارے پاس ایک ہی جواب ہو گا کہ ہم نے

ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ انسان، جنات اور ملائکہ عنقریب۔ انسان کی تخلیق میں حیثیت گوشت پرست، مثلث غالب ہے۔ اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے۔ انسان کے بھی دو رخ ہیں۔ غالب مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔ جب کب بندہ پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات، فرشتوں اور دوسرے جہتوں میں آجاتا مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفت گو بھی کر سکتا ہے۔ طولانی گردش مشرق اور مغرب کی سمت میں سفر کرتی ہے اور ٹوری گردش شمال سے جنوب کی طرف روال و وال ہے۔

ٹیلی میٹھی اور مازوائی علوم حاصل کرنے کے لئے شمال کی سمت اس لئے مستعین کی جاتی ہے کہ شمال جنوب میں سفر کرنے والی مختلف لہروں کا وزن صاحب مشق کے شعور پر کم سے کم پڑے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دریا میں اپنے اراد سے اترتا ہے تو اس کے حواس معطل نہیں ہوتے لیکن اگر کسی آدمی کو بے خبری میں دھکا دے دیا جائے تو اس کے حواس غیب متوازن ہو سکتے ہیں۔ خود اختیار کی عمل سے انسان بڑی سے بڑی افتاد کا ہنٹے کیلئے مقابلہ کر لیتا ہے جب کہ ناگہانی طور پر کسی افتاد سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

ہم نے کسی سمت کا تعین اس لئے نہیں کیا ہے کہ اب تک ٹیلی میٹھی کا سبق براہ راست پیش نہیں کیا گیا ہے۔ جتنے اسباق شائع ہوئے ہیں ان کا منشار ذہنی ایک سوئی پیدا کرنا ہے۔ ذہنی ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے سمت کا تعین ضروری نہیں ہے۔

علوم بھی نور ہیں، روشنی ہیں۔ نور یا لہروں کا عالم نور یا لہروں کے ذریعے ہی منتقل ہو سکتا ہے ہم جب نور کا تصور کرتے ہیں تو نور کی لہریں یا علم روحانیت کی روشنیوں ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہمارے اندر منتقل ہونے لگتی ہیں۔

تصور کی مشقوں سے پھر پورے فوائد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صاحب مشق جب آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو اسے خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جانا چاہیے، اتنا بے نیاز کہ اس کے اوپر سے ہندسہ نام اور اسپیس کی گرفت ٹوٹنے لگے۔ یعنی اس تصور میں اتنا انہماک ہو جائے کہ وقت گزرنے کا مطلق احساس نہ رہے۔ کتاب کا دل چسپ مضمون پڑھنے کی مثال پیش کی جا چکی ہے۔

تصور کے ضمن میں اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اگر آپ نور کا تصور کر رہے ہیں تو آنکھیں بند کر کے کسی خاص قسم کی روشنی کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ صرف نور کی طرف دھیان قائم کریں۔ نور جو کچھ بھلا ہے اور جس طرح بھلا ہے از خود آپ کے سامنے آئے گا۔ اصل مدعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا اور منتشر خیال سے نجات پانا ہے جس کے بعد باطنی علم کرامی در کڑی ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ تصور کا مطلب اس بات سے کافی حد تک پورا ہوتا ہے جس کو عرف عام میں 'بے خیال ہونا' کہا جاتا ہے۔

ہم اگر کھلی یا بند آنکھوں سے کسی چیز کا تصور کرتے ہیں اور تصور میں خیالی تصویر بن کر اُسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ عمل ذہنی کسوٹی کے احاطے میں نہیں آتا۔ ذہنی یک سوئی سے مراد یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر دیکھنے اور سننے کے عمل سے بے خبر ہو جائے۔ قانون یہ ہے کہ آدمی کسی لمحے بھی جو اس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ جب

دھیان نہیں کیا حالانکہ چیزیں سب نظر کے سامنے سے گزریں لیکن چونکہ کسی بھی چیز میں ذہنی مرکزیت قائم نہیں ہوتی اس لئے حلقہ پر اس کا نقش مرتب نہ ہو سکا۔

قانون یہ بنتا کہ جب ہم کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز اور اس چیز کے اندر ضمنیت ہمارے اوپر منکشف ہوتی ہے۔ ہم کوئی کتاب پڑھتے ہیں جو بہت دلچسپ ہے۔ دلچسپی کی بنا پر کئی گھنٹے گزر جاتے ہیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کا مطالعہ چار یا پانچ گھنٹے کیا ہے تو ہمیں یقین نہیں آتا لیکن چونکہ گھڑی ہمارے سامنے ہے اس لئے ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے برعکس ایک ایسی کتاب آپ پڑھتے ہیں جس کا مضمون آپ کی دلچسپی کے برعکس ہے تو پانچ دس منٹ پڑھنے کے بعد ہی طبیعت پر بوجہ محسوس ہونے لگتا ہے اور بالآخر وہ کتاب چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ مثال سے دوسرا قانون یہ بنا کہ ذہنی مرکزیت کے ساتھ ساتھ اگر دلچسپی بھی قائم ہوتی تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دلچسپی کا تعلق ہے اس کی حدود اگر متعین کی جائیں تو وہ دور رخ پرفائیم ہیں جن کو عرف عام میں ذوق و شوق کہا جاتا ہے یعنی ایک طرف کسی چیز کی ضمنیت کو تلاش کرنے کی جستجو ہے اور دوسری طرف اس جستجو کے نتیجے میں کوئی چیز حاصل کرنے کا شوق ہے۔

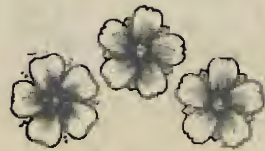
ذوق اور شوق کے ساتھ جب کوئی بندہ کسی راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ راستہ دین کا ہو یا دنیا کا، اس کے نتائج مثبت مرتب ہوتے ہیں۔ مثالی مہینگی کی مشقوں میں تصور کا منشا یہ بھی ہے کہ آدمی ذوق و شوق کے ساتھ ذہنی مرکزیت اور اس کے نتیجے میں باطنی علم حاصل کرے۔ چونکہ یہ علم کتابی علم نہیں ہے اس لئے اس علم کو یکسوئی کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنا لازم ہیں جو موجب طریقوں سے بالا ہوں۔ روح نوبہ، روشنی ہے روحانی

ٹیلی پیٹی کا پوتھا سبق

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں تمنا بند کر لیں اور بائیں نٹھے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھے ہاتھ کی چھنگلیا سے بائیں تمنا بند کر لیں اور میں سیکنڈ تک سانس روکے رہیں۔ میں سیکنڈ کے بعد دائیں نٹھے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں نٹھے سے سانس دس سیکنڈ تک بند کھینچیں۔ بائیں نٹھے پر سے چھنگلیا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں تمنا بند کر لیں اور سانس کو بیس سیکنڈ تک روک رکھیں پھر بائیں نٹھے سے سانس کو میں سیکنڈ تک نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔ اس طرح اس عمل کو بیس مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی خالی معدہ صبح سویرن نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی پیٹ کرنی چاہئے۔ ٹیلی پیٹی کے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ رات کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب کے وقت کھالیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد اس طرح بیٹھ جائیں کہ اعصاب ڈھیٹے اور پرسکون رہیں۔ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کریں کہ ایک گیند ہے اور گیند کے اندر نیلے رنگ کی روشنیاں بھری ہوئی ہیں اور یہ روشنیاں سویرن کی کرنوں کی طرح آپ

ہمارے اور شوروی خواس کا خلیہ نہیں رہتا تو میکائی (AUTOMATIC) طور پر
 لاشوری اسسٹنٹ ہو جاتے ہیں اور لاشوری خواس سے متعارف ہونا ہی سادہ رانی
 علوم کا عرفان ہے۔



کے اوپر پڑ رہی ہیں اور یہ روشیناں آپ کے دماغ میں جذب ہو کر پورے جسم میں سے دور کرتی ہوئی پیروں سے نکل رہی ہیں۔ اس تصور میں گہرائی واقع ہونے پر پہلے دماغ میں ہلکا پن محسوس ہوتا ہے۔ پھر کششِ ثقل ختم ہو جاتی ہے۔ جب بندھانکوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس میں کششِ ثقل آنکھوں سے کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا گیت کے اندر بند ہے اور گیت کے اندر تیلے رنگ کا ڈھینچا بھری ہوئی ہیں۔ اس میں کسی تکمیل کے بعد آدمی خود کو آنا ہلکا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ہوا میں چل رہا ہو۔

اس میں کششِ ثقل کے دوران یہ احتیاط فروری ہے کہ یہ عمل ایسے وقت نہ کیا جائے جب آپ سڑک پر چل رہے ہوں۔ اس لئے کہ کسی بھی وقت آپ کششِ ثقل سے آزاد ہو سکتے ہیں اور زمین آپ کے پیروں سے نکل سکتی ہے۔ اگر سڑک پر چلتے ہوئے یہ کیفیت از خود مل رہی ہو جائے تو سڑک پر سے ہٹ کر فرش یا تھامہ پر چلیں اور چلتے وقت قدم جما کر رکھیں تاکہ آپ کسی راہ چلتے آدمی سے ٹکرائیں نہیں۔ گھر میں یہ عمل کیا جا سکتا ہے۔

کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۶ عناصر

سوال: آپ نے بتایا ہے کہ اب تک جتنے اسباق لکھے گئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو ذہنی یکسوئی اور خیالات کی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ کیا آپ براہ راست ٹیلی ویژن کی مشقیں تجویز کر کے، کورس کی مدت مختصر نہیں کر سکتے؟ ٹیلی ویژن کی مشقیں کرنے سے از خود ذہنی یکسوئی ہو جاتی ہے تو پھر آپ کون خواہ مخواہ مشقوں کو طول دے رہے ہیں؟

جواب: انسان ان ہی حقیقتوں کو سمجھنے اور پالنے کی کوشش کرتا ہے جن کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ حقیقتیں ایسی ہیں جو موجود ہونے کے باوجود ہمارے دائرہٴ احساس یا شعور میں نہیں آتیں۔ شعور کے دائرہٴ کار میں رہ کر ہم لاکھ کوششیں کریں لیکن ہم ان حقیقتوں کو اپنے اعضاء یا نظام اور گوشت پوست کے دماغ سے نہیں پہچان سکتے۔ جب ہم ان حقیقتوں کی چھان بین کرتے ہیں تو اس اور اک کی بنیاد وہ عمل نہیں ہوتا جس میں شعور جو اس اور اعضاء کا دخل ہوتا ہے۔ اور ہماری عقل ان گتیاں کو سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔ عقل علیٰ تجربہ کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے جب کہ غیب میں آباد دنیا کے روز و نکات کا تعلق لا شعوری حواس سے ہے۔

جدید سائنس کی رُو سے آدمی ایک سو چھبیس عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی

نہیں ہوں گے۔ دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہم سے سانسے
نہیں آئیں گی۔ ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم
ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت سے آزاد ہونا کس طرح
ممکن ہے۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور
کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہرگزرنے والا لمحہ آنے والے لمحات کے
انتظار کا پیش خیمہ ہے۔ انتظار بچائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے
جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے
کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چھپکا ہوا اور چھپیا ہوا نہ ہو تو سبب
ہونے والا بچہ ننگوڑے سے باہر نہیں آئے گا، نشوونما رک جائے گی، کائنات
ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔
جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی شروعات
ہے کہ یہ بیج پھول بن کر کھلے گا۔



ہوا، مٹی، بائوسٹر، رینڈیم، کاربن، نائٹروجن... وغیرہ۔ غرضیکہ جتنے بھی عناصر
مل کر کسی مادہ کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں ہی شامل
ہیں۔ جب ہم مادہ کا اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرندے، پرندے، درندے،
ذی روح اور خسیس ذی روح مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک صفت میں کھڑے
نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے
افضل و اعلیٰ ہے وہ اس کی قربت ارادہ ہے۔ انسان اپنی قربت ارادہ سے نعمت یہ
کہ عرفان حاصل کر لیتا ہے بلکہ اس کے سامنے کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔
زمین پر سے غس و خاشاک دور کرنے کے بعد کوئی پودا لگا دیا جائے تو وہ جلد
نشوونما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح
صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگا دیا جائے تو وہ بہت جلد برگ و بار لاتا ہے
اور سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ اپنے جسم کا ناسد مادہ خود ہی خارج
کر دیتے ہیں یا وہ قدرتی نظام کے تحت خارج ہو جاتا ہے اسی طرح ایجان، جذبات
اور خیالات کی کثافت کا اخراج ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک دماغ جذبات و خیالات
کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا آدمی روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس صفائی کو حاصل
کرنے کے لئے براہ راست ٹیپوٹھی شروع کرنے سے پہلے ہم نے ذہنی بیکوٹی حاصل
کرنے کے اسباق تجویز کئے ہیں۔

پیراسائیکالوجی (PARAPSYCHOLOGY) کی رُود سے ماورائی طاقت
حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ کی کارکردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا
جائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہم عملاً اس مادہ نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف متوجہ

آنتینا (ANTENNA)

سوال: یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ زندگی کا قیام سائنس کے اوپر ہے سائنس جاری ہے تو زندگی برقرار ہے اور جب سائنس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو زندگی بھی راہ عدم اختیار کرتی ہے۔ درخواست ہے کہ آپ ہم طلباء و طالبات کو یہ بتائیں کہ ماورائی علوم حاصل کرنے میں سائنس کی شقیں کیوں ضروری ہیں اور سائنس کی طوائف حیثیت کیا ہے؟

جواب: تخلیقی فارمولوں پر غور کیا جائے اور اللہ کے بیان کردہ قوانین میں تھسکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات اور کائنات کے اندر تمام مظاہرات کی تخلیق ڈورنچ پر کی گئی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں سائنس کے بجائے ڈورنچ متعین ہیں۔ ایک رنچ یہ ہے کہ آدمی سائنس اندر لیتا ہے اور دوسرا رنچ یہ ہے کہ سائنس باہر نکالا جاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں گہرائی میں سائنس لینا صغودی حرکت ہے اور سائنس کا باہر آنا نزولی حرکت ہے۔ صغود اس حرکت کا نام ہے جس حرکت میں تخلیق کا ربط براہ راست خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے اور نزول اس حرکت کا نام ہے جس میں بندہ ٹائم اسپیس

(TIME SPACE) کا پابند ہے۔

جب کچھ نہ تھا، اللہ تھا۔ جب اللہ نے جاہ بشمول کائنات ہمیں تخلیق کر لیا تخلیق کی بنیاد (BASE) اللہ کا چاہنا ہے۔ اللہ کا چاہنا اللہ کا ذہن ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب تک شے کی وابستگی اصل سے برقرار نہ رہے کوئی شے قائم نہیں رہ سکتی۔ اس وابستگی کا قیام مظاہراتی خدو خال میں صغودی حرکت سے قائم ہے۔ اس کے برعکس ہمارا ایک جسمانی تشخص بھی ہے۔ اس جسمانی اور مادی تشخص کا بنا نزولی حرکت ہے۔

پوری کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ہر لمحہ اور ہر آن ایک سرکل (CIRCLE) میں سفر کر رہے ہیں اور کائنات میں ہر لمحہ سہرا ایک دوسرے سے آشنا اور متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ خیالات پر مبنی ہے۔ سائنس نے آپس میں اس تبادلہ خیال اور رشتہ کو توانائی کا نام دیا ہے۔ سائنس کی رو سے کائنات کی کسی شے کو خواہ وہ مرنی ہو یا غیر مرنی گلیتہ فنا نہیں۔ ان کا کتابہ کہ مادہ مختلف ڈائیوں میں نقل مکانی کر کے توانائی بن جاتا ہے اور توانائی روپ بدل بدل کر سامنے آتی رہتی ہے۔ مکمل موت کسی پروردگار نہیں ہوتی۔ تصوف میں اسکی توانائی کو رُوح کا نام دیا گیا ہے۔ رُوح کو جو علم و ولایت کر دیا گیا ہے وہ ہی خیالات، تصورات اور احساسات بنتا ہے۔ یہ خیالات اور تصورات لہروں اور شعاعوں کے دوشس پر ہمہ وقت، ہر لمحہ اور ہر آن معروف و معلوم رہتے ہیں۔ اگر ہمارا ذہن ان لہروں کو پڑھنے اور ان کو حرکت دینے پر قدرت حاصل کرتے تو ہم کائنات کے تصور و خیالوں میں خیالات کے روپ بدل سے واقف حاصل کر کے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سائنس کے اوپر کنٹرول حاصل کر لیں جو صغودی حرکت ہے۔

سائنس کا گہرائی میں جانا ناشور ہے اور سائنس کا گہرائی سے مظاہرانی سطح پر
 آنا ناشور ہے۔ ناشوری زندگی حرکت میں ہوتی ہے تو ناشوری زندگی پر دوسے میں پہلی
 جاتی ہے اور ناشوری زندگی میں ناشوری حرکات مغلوب ہو جاتی ہیں۔ ماورائی علوم
 سے آشنا ہونے کے لئے ناشوری تحریکات سے باخبر ہونا ضروری ہے اور یہ اس
 وقت ممکن ہے جب گہرائی میں سائنس لینے پر اختیار حاصل ہو جائے اور ہمارے اندر
 مرکزیت اور توجہ کی صلاحیتیں بروئے کار آجائیں۔ یاد رکھئے ہمارے اثر (INNER)
 میں نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) اسی وقت کچھ نشر کرنے یا قبول کرنے کے قابل
 ہوتا ہے جب ذہن میں توجہ اور مرکزیت کی صلاحیتیں واقف قرار میں موجود ہوں۔ ان
 صلاحیتوں کا ذخیرہ اس وقت فعال اور متحرک ہوتا ہے جب ہم اپنی تمام تر توجہ یکسو اور
 صلاحیتوں کے ساتھ صحیحی حرکت میں ڈوب جائیں۔

ماورائی علوم سیکھنے کے لئے مضبوط اعصاب اور طاقتور دماغ کی ضرورت ہے
 اعصاب میں چمک پیدا کرنے، دماغ کو متحرک رکھنے اور قوت کار کو دل بڑھانے کے
 لئے سائنس کی مشقیں بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔ جب کوئی مبتدی سائنس کی مشقوں
 پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو اس کے دماغ کے اندر بار ایک تین دیشوں اور خلیوں
 (CELLS) کی حرکات اور عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اثر (INNER) میں سائنس
 روکنے سے دماغ کے خلیات (CELLS) چارج ہو جاتے ہیں جو انسان کی خفیس
 صلاحیتوں کو بیدار ہونے، ابھرنے اور چلنے پھولنے کے بہترین مواقع فراہم
 کرتے ہیں۔



کیفیات و واردات سبق ۴

سیدنا صغریٰ ظفر

۲۴۔ نومبر: آج سے چوتھے سبق کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
 سے تصور قائم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ روشنیوں کا آبشار میرے اوپر گر رہا ہے اور یہ
 روشنیاں سر میں سے جذب ہو کر پیروں کے ذریعے EARTH ہو رہی ہیں جس
 وقت روشنیاں سر میں جذب ہوتی ہیں ان کا رنگ نیلا ہوتا ہے اور جب زمین
 میں ارتعاش ہوتی ہیں تو بے رنگ ہو جاتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ رنگین لہروں کا رنگ میرے
 جسم میں پوست ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ میں ایک گلوب میں ہوں اور اس
 اس گلوب کے اندر نیلا رنگ بھرا ہوا ہے۔ یکایک ایک وسیع و عریض گنبد پر
 نظر پڑی میں کا رنگ بہتر تھا۔

صبح کی مشق کے دوران دیکھا کہ میرا سر کھل گیا اور روشنیوں کے دو مجسم ہرت
 میرے سر پر داخل ہو گئے اور انہوں نے میرے اندر صفائی شروع کر دی۔ پھر
 یہ مجسم ہرت روشنی میں تحلیل ہو کر پیروں کے راستے باہر نکل گئے۔ روحانی یا جسمانی
 صفائی کے بعد کئی شعاعیں تیزی کے ساتھ میرے جسم میں داخل ہونے لگیں۔

۲۵۔ نومبر: مشق کے دوران گنبد کی طرف خیال چلا گیا۔ دیکھا کہ روشنیوں

آتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہات ذہن سوچتا ہے وہ ہوجاتی ہے۔ میں نے اس عرصے میں خاص طور پر ایک بات نوٹ کی ہے کہ پہلے میں احساس کمتری کی بنا پر کسی سے بات کرتے وقت اس سے آنکھ ملاتا کہ بات نہیں کر سکتا تھا لیکن اب میں ہر شخص سے خود اعتمادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں۔

۸۔ فروری : پہلے سفید روشنیوں کے جھماکے ہوتے رہے۔ اس کے بعد زرد روشنی کی لہریں دکھائی دیں۔ پھر دیکھا کہ خانہ کعبہ ہے اور لوگ طواف کر رہے ہیں اس نظر کو میں نے کافی اونچائی سے دیکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں نظر آئیں لیکن یاد نہیں رہیں۔ ایک دفعہ ایسا لگا جیسے کہ نچلے حصے سے کوئی چمکی ہوئی چیز نچے آ رہی ہے۔

۱۵۔ فروری : پہلے زرد رنگ کی لہریں ناک کی طرف سے آتی رہیں۔ اس کے بعد نظر آیا کہ بہت سے لوگ ایک قطار میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہلکا ہلکا کسی نے زمین پر کوئی چیز پھینکی۔ اس کے چھینٹے ادھر ادھر بکھرے اور میں ان سے اپنا منہ بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے بعد چھوٹے سائز میں سفید رنگ کی چمک دار خوبصورت لہریں ناک کے پاس سے گزریں۔ لگ رہا تھا کہ جیسے کافی وقت گزر چکا ہے۔ آج سسر میں ہلکا سا درد ہوا۔

۱۲ فروری : آج زرد لہروں کو ساکت حالت میں دیکھا۔ پھر دیکھا کہ سفید رنگ کے تختے ہیں اور ان پر کالے رنگ سے کچھ لکھا ہوا ہے۔

ملک حق نواز

۲۔ فروری : مشق کے بعد سونے کے ٹی بیٹا تو میرے دل سے کرنٹ نکل کر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور جسم اس کی شدت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس

نیچے آ رہا ہے وہ اصل میں سفید رنگ کی ہیں لیکن گنبد میں سے گزرتے ہی یہیلی ہوجاتی ہیں۔ یہ مجھ دیکھا کہ گنبد کی چھت پر رنگوں کے دائرے بنے ہوئے ہیں۔ پہلا دائرہ بڑے قطر کا ہے۔ پھر اس سے چھوٹا۔ پھر دائروں کے قطر بدلتے چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ ان دائروں میں مونی اور خوبصورت تھر تھر بنے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ گرتی ہوئی روشنیوں کا رنگ وقفے وقفے سے تبدیل ہو رہا ہے۔ اور میرا جسم مقناطیس کی طرح کھینچ کر اس کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔

۲۔ نومبر : دیکھا کہ کوئی پستند اگر گنبد کی چھت پر بیٹھ گیا۔ اور اس کو ہلانا شروع کر دیا۔ گنبد کا ہلنا تھا کہ گری ہوئی روشنیوں میں شدت پیدا ہوگئی۔ روشنی کی اس موسلا دھار بارش کو میں اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا۔ اور کبھی کبھی میرے اوپر کسی پتی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ یہ روشنیاں کہاں سے آتی ہیں؟ پتہ چلا کہ گنبد کی چھت پر ایک اینٹینا ٹاڈا رہے جو فضا سے روشنیوں کو جذب کر کے دائروں اور مونیوں کے ذریعے گنبد کے اندر بکھیر رہا ہے۔

۲۔ دسمبر : طرح طرح کے خوبصورت مناظر دیکھے۔ عالی شان عمارتیں باغات، پہاڑ، پلورے تالاب۔ یہ سب ٹرانسپیرنٹ تھے اور ہر طرف روشنیوں کا دور دورہ تھا۔

احساس کمتری سے نجات

محمد سید قریشی، لاہور

پہلے کئی ہفتوں سے دن میں اکثر خوبصورت نیلے رنگ کی روشنی چمکتی ہوئی نظر

کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا ہے۔

محمد لطیف، کراچی

۲۹۔ اپریل : مراقبہ شروع کیا تو کالے رنگ کے دائرے نظر آئے لیکن کچھ ہی دیر بعد بائیں آنکھ کے اوپر ایک روشنی گولہ نظر آیا۔ پھر ایک دم مجھے اپنے چاروں طرف نور ہی نور نظر آیا۔ پھر وقفے وقفے سے نور کے جھامکے ہوتے رہے۔

۳۰ مئی : آج آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کسی چیز کا سایہ چلتا ہوا نظر آیا۔ پھر سفید لہریں نظر آئیں۔ اس کے بعد بائیں آنکھ کے سامنے روشنی نظر آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دائیں آنکھ کے سامنے بھی روشنی نظر آئی۔ پھر ایک لمحے کے لئے میں اس سفید روشنی میں ڈوب گیا۔

ایم اے، راولپنڈی

۱۰۔ مئی : شیشے کا بنا ہوا ایک گنبد ہے۔ اس میں سے روشنی نکل کر میرے سر پر پڑ رہی ہے۔ بیکار ایک ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے گنبد کو چھیر دیا ہو اور بہت پر میرے سر میں سے ہو کر پیروں میں سے ہوتی ہوئی زمین میں جذب ہو گئی۔ یہ کیفیت تقریباً ۲۰ سیکنڈ قائم رہی۔

۱۶ مئی : دیکھا کہ سفید رنگ کا گنبد ہے۔ اور اس کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔ بھی سبز ہو جاتا ہے اور کبھی نیلا۔

سوئے کے محل

محمد جہانگیر تبتم

۶۔ جنوری : خدا خدا کر کے تصور قائم ہوا اور ساتھ ہی تیسری ششک کے دوران مرتب ہونے والی کیفیات کا تصور بھی آتا رہا۔ دیکھا کہ جب روشنی میرے دماغ کے اندر چھوڑا ہوا ہے تو دماغ بخاری ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود کو ایک چوکور چیز میں پرواز کرتے دیکھا۔ دوران مراقبہ ایک بزرگ بھی دکھائی دیے جو کبھی تیسری شکل کے بن جاتے اور کبھی میں ان کی شکل کا بن جاتا۔ صبح کی متاز ادا کر رہا تھا تو محسوس ہوا کہ جس خلا میں متاز ادا کر رہا ہوں۔

۷۔ جنوری : آنکھوں کے سامنے سونے کے محل کی طرح کوئی چیز آگئی۔ جس میں حضرت عائشہؓ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن چہرہ مبارک دوسری طرف تھا۔

۱۱۔ جنوری : مراقبہ میں جاتے ہی غنودگی چھا گئی۔ اس عالم میں خود کو ایک غار کے اندر دیکھا۔ جسم میں کوئی چیز برقی رو کی طرح گردش کرتی رہی۔ سر کے دائیں جانب کوئی چیز سرکتی ہوئی اور ساتھ ہی کوئی ٹھنڈی چیز دماغ میں سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر ایک خوبصورت باغ دکھائی دیا۔ اس کی چار دیواری سونے اور چاندی کی طرح تھی۔ فرش کا رنگ سبز تھا۔ پھر میں نے خود کو ایک گنبد پر کھڑا دیکھا۔ اگلی گنبد پر بھی تھا کہ آسمان سے انسانی شکل کا ایک گروہ میری طرف آنا دکھائی دیا۔ گنبد پر اتر کر انہوں نے کہا کہ ہم تم کو اپنے ساتھ لینے آئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک بزرگ نے تخت پر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ تخت تیزی سے پرواز کرنا ہوا آسمان پر جا پہنچا۔ وہاں پر بہت خوبصورت چیزیں دیکھیں۔ بہت سے لوگ بھی تھے۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا، کوئی کچھ۔ ان میں سے ایک روٹی کھا رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی روٹی دی۔ پھر وہ مجھے ایک چمک دار سفید کمرے میں لے گیا اور کہا کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ کمرہ اتنا سفید تھا کہ اندر کی چیزیں منسا

عالم تمام حلقہ دم خیال ہے

سوال: طبی سستی کی مشقوں کے بعد طالبات اور طلباء پر جو کیفیات مرتب ہوئی ہیں ان سے اس علم کا حقیقت سے تعلق ثابت ہو جاتا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کامیابی کا تناسب کم ہے تو دماغ اس شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ سب قوت متخینہ کا نتیجہ ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ اختیار کی یا غیر اختیار کی طور پر یہ سوچ لیا ہے کہ ایسا ہے، ویسا ہے اور وہی مناسطہ اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اس قسم کی کیفیات اس پر وار دہونے لگتی ہیں۔ کیا آپ اس سلسلہ میں کچھ بتا سکتے ہیں؟

جواب: جہاں تک قوت متخینہ کا تعلق ہے اس سے کوئی ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ساری زندگی خیالات کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہے۔ قلندر بابا اویلا نے اپنی کتاب "روح و قلم" میں اس تانے بانے پر بنی ہوئی تخلیق کو نسب کہا ہے اور جنات کی تخلیق نسرہ مفرد سے، انسان اور انسان کی دین کی تخلیق نسرہ مرکب سے عمل میں آئی ہے۔ اس بات کو نقشہ میں دکھا کر پوری طرح سمجھایا گیا ہے۔ ہر سو زندگی دیتی ہیں، زندگی کے سارے تقاضے ہمارے اندر پیدا کرتی ہیں ہمارے دماغ کے اندر نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) جب ان کو جذب کرتا ہے

دکھائی دیتی ہیں۔ یعنی اس کی دیواریں بالکل نینے کی طرح ٹرانسپیرنٹ نہیں ہیں مگر کے اندر گیا۔ آگیا دوسرے دروازے کی طرف جانے ہی والا تھا کہ پاؤں پھسل گیا۔ اور وہاں بھی مجھے شملی روشیناں دکھائی دیں۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو فوراً طور پر نہیں کھلیں۔ آہستہ آہستہ کھلیں۔ جب چلنے لگا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہوا میں چل رہا ہوں اور دایاں پاؤں کھینچ رہا ہے۔



قانونِ فطرت

سوال: شیلی سٹیجی اور دیگر مادی علوم کے ضمن میں جن قوتوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، کیا ان صلاحیتوں کے حصول کے لئے کوئی بھی شخص کوشش کر سکتا ہے یا یہ علم ایسے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غیر معمولی قوت کے حامل ہیں؟

جواب: کائنات میں موجود جو مخلوقات میں انسان سب سے پیچیدہ نفسیات و طبیعات کا حامل ہے۔ بعض اوقات کچھ افراد سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جنہیں ہم SUPER NATURAL یعنی مافوق الفطرت کہہ دیتے ہیں اور جو عام لوگوں کی نظروں میں عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ حالانکہ عورت کیا جائے تو اس کا خاصہ قدرت میں کوئی چیز مافوق الفطرت نہیں ہے۔ چونکہ ہر شے کی ابتدا اور انتہا تو انہی فطرت کے تحت ہے، اس لئے یہاں کوئی موجودہ شے فطرت سے بالاتر نہیں ہو سکتی۔

ہماری اس کائنات میں فطرت کے بے شمار قوانین کار فرما ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ہمیں معلوم ہیں اور بہت سے تو زمین میں اپنی لامعی کی وجہ سے معلوم نہیں جن کے بارے میں ہمارا علم ناقص ہے انہیں ہم فوراً فوق الفطرت کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہم محض اپنے "تصور" کی قوت سے

تو خیالات اور جذبات بن کر نشر ہونے لگتی ہیں۔ خیالات کی نشریات ہی زندگی ہیں قوتِ تخیل کو ایک لایحی اور ایک غیر نوزہ چیز سمجھنا بجز جہالت کے کچھ نہیں ہے۔ آئیے ایک تجربہ کرتے ہیں۔

آرام کے ساتھ بستر پر لیٹ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اور اپنی پوری توجہ اس بات پر مبذول کر دیں کہ آپ کے پیر گرم ہو رہے ہیں۔ پھر یہ تصور کریں کہ لہریں آپ کے واماخ میں سلس اور پیہم نزل کر رہی ہیں۔ اور پیروں کے ذریعے خارج ہو رہی ہیں۔ ہروں کے اندر گرمی آپ کے پیروں کو گرم کر رہی ہے۔ جیسے ہی آپ کی توجہ اس عمل میں لگے ہو جائے گی، آپ کے پیر گرم ہوتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ اور پھر یہ معلوم ہو گا کہ اسے جسم کی گرمی پیروں میں سمٹ آئی ہے اور آپ کے پیروں کے تلوے جلتے لگیں گے۔ بالکل ہی صورت اس وقت ہوگی جب آپ سرد ہواؤں کا تصور کریں گے خیالات کی مرکزیت پیروں کو اتنا شدید کر دیتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پیر ہوت کی طرح رخ ہونے لگے ہیں۔ مادیاتی علوم کے لئے یہ کہہ کر گزر جانا کہ یہ سب قوتِ تخیل کا نتیجہ ہے دراصل نثر اور ایک شکل ہے اور یہ باتیں ایسے لوگ کرتے ہیں جن کے اندر قوتِ عمل تقریباً صفر ہوتی ہے۔

ایشارہ و یقان، نفرت و حسد، بھوک، پیاس اور زندگی کے سارے تقاضے کیا ہیں؟ سب خیالات کی ادنیٰ بدلتی تصویریں ہیں۔ اگر جسم میں بھوک کے تقاضے سے، خیال کے ذریعے، مطلع نہ کرے تو ہم کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ یہ ساری کائنات خیالات کی ایک مربوط فلم ہے۔



چار ہزار میل پر بیٹھے ہوئے کسی دوسرے شخص کو متاثر کر دیں یا کسی بیمار کے بدن پر ہاتھ پھیر کر اس کا مرض دور کر دیں۔ کسی شخص کو چند منٹ نظر جا کر دیکھیں اور اس پر نیند طاری ہو جائے۔ ہم اپنی آنکھوں کو بست کر کے لاہور کے انارکلی بازار یا ستان کے پکا ڈلی کا تصور قائم کریں اور وہاں کا پورا جینٹا جاگتا منظر ہمارے سامنے اس طرح آجائے گی یا ہم خود ان بازاروں میں چل پھر رہے ہیں۔ قدرت نے ہمارے اندر یہ صلاحیت بھی دو لیعت کی ہے کہ ہم دوسروں کے دل کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے اندر میں داخل ہو کر ان کی کھلی زندگی کے اہم واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ فطرت نے ہمارے مانع میں یہ قوت بھی رکھی ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات پر وہ اسکرین پر فلم کی طرح ہمارے سامنے رقصاں رہیں۔

یہ تمام صلاحیتیں کسی دیکسی قانون کے مطابق ہیں۔ مگر جب ہم کسی شخص میں اس قسم کی کوئی قوت متحرک پاتے ہیں تو اسے سپرنچرل کہہ دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہمارے کائنات میں فوق الفطرت کوئی چیز نہیں ہے۔

ہم میرا سے ہر شخص خاص خاص مشقوں، مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے دماغ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان علوم کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جنہیں شیلی سٹیجی، غیب بینی، اچھے خواب، مستقبل بینی، شرح صدر، (THOUGHT READING) دوران علاج بذریعہ خیال، تاثیر بذریعہ تصور، انتقال امواج، اسمریزم، ہینٹازم کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ بھی اپنے اندر غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں اور قوتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کسی استاد کامل کی نگرانی میں مشقیں کیجئے۔ آپ میں بھی غیبی معمولی قوتیں پیدا ہو جائیں گی۔

ایک بات یاد رکھئے، ہر انسان اپنی سیرت کا بنا پر از بروز مجسم لیتا ہے اور اوج خریات تک پہنچ جاتا ہے۔ سیرت کی جڑیں اخلاقی قدروں سے نشوونما پاتی ہیں۔ اس لئے اگر آپ مستقبل بینی کے لئے قدم اٹھاتے ہیں تو پہلے اپنی سیرت کا جائزہ لیجئے، اپنی مستقل مزاجی کا امتحان لیجئے کیوں کہ پیش بینی کا آغاز آپ کی اپنی ہی ذات سے ہو سکتا ہے۔ پہلے آپ خود اپنے اوپر تجربات کریں گے۔ اس کے بعد یہی طاقت دوسروں پر آزمائی جائے گی۔ اگر آپ کی سیرت قابل اطمینان نہیں ہے تو آپ غلط راستوں پر بھی جا سکتے ہیں۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اکی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے جا فخر اور گھنڈے کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں ان سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے یاد رکھئے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی شخصی تعمیر اور پھر تعمیر کائنات کا سزم ہونا چاہئے۔



ٹیلی پیٹیجی کا پانچواں سبق

۱۱۸ اپنچ x ۱۱۸ اپنچ کا چمک دار اور سفید ریگزین کا ٹکڑا لے کر اتنے ہی بڑے کڑی کے تختے پلائی وڈ، ہارڈ بورڈ یا موٹے گتے پر چھوٹی کیسلوں سے اس طرح جڑوں کی ریگزین میں شکنیں باقی نہ رہیں۔ اس ریگزین کے بالکل بیچ میں چھوٹا اپنچ قطر کا ایک دائرہ بنائیں اور اس دائرے کو سیاہ چمک دار پینٹ سے پر کر دیں مطلب یہ ہے کہ ۱۱۸ اپنچ x ۱۱۸ اپنچ کے اس چمک دار سفید ریگزین شیٹ پر ایک سیاہ دائرہ اس طرح بنائیں کہ اس دائرے کے بالکل بیچوں بیچ ایک اپنچ قطر کا سفید دائرہ باقی رہے۔

۱۱۸ اپنچ



اس بورڈ کو چار فٹ کے فاصلے پر اپنے سامنے اس طرح رکھیں کہ سفید دائرہ نظر کے بالکل متوازی ہو۔ بورڈ میں جھکاؤ واقع نہیں ہونا چاہیے۔ سیدھا رہے۔ دھکا دینے سے پہلے سانس کی مشق کر لیں۔

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں۔ اور بائیں ہاتھ سے دایاں

سیکند ٹیک سانس کھینچ کر چھوٹی انگلی سے دایاں ہاتھ بند کر لیں اور تین سیکند تک سانس روکے رکھیں۔ پانچ سیکند بعد دایاں ہاتھ سے سانس دس سیکند تک خارج کریں۔ اب دوبارہ دایاں ہاتھ سے سانس دس سیکند تک کھینچیں۔ بائیں ہاتھ سے پانچ چھبھگایا کر دوبارہ دایاں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں اور سانس کو پانچ سیکند تک روکے رکھیں۔ پھر بائیں ہاتھ سے سانس دس سیکند باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔ اسی طرح اس عمل کو دس مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی صبح سورج نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی پیٹ کرنی چاہیے۔

دوسرے اسباق کی طرح اس مشق میں کھانسی کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب کے وقت کھایا جائے۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا نہایت ضروری ہے۔

سانس کی مشق کے بعد دس سے پندرہ منٹ تک دائرہ بنی کریں۔ دائرہ بنی کرتے وقت آنکھوں میں ملن اور ورزش کا احساس ہوگا۔ آنکھوں اور ناک سے پانی بہے گا۔ اس کی پرواہ نہ کریں۔ بلکہ پلک چھپکائے بغیر دائرہ بنی کرتے رہیں۔ مشق کے دوران گردن سیدھا رکھیں۔ نظر میں مرکزیت اور ٹھیرا پیدا ہونے تک اگر پلک چھپک جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پلکوں کے عمل کو ساقا کرنے کے لئے اپنے اوپر سبوتا کریں۔ جیسے جیسے مشق کا تکمیل ہوگی خود بخود ٹھیسرا پیدا ہوتا جائے گا۔

اس مشق سے خارج ہونے کے بعد مراقبہ میں داخلے جائیں۔ مراقبہ میں بند آنکھوں سے یہ تصور کیا جائے کہ شیشے کا ایک جار (JAR) ہے اور اس جار کی اندر دفن ہو کر پوزیشن پر موجود اشیاء نفس انگار کی صورت میں موجود ہیں۔ دائرہ بنی کی مشق جو سب

چھٹا سبق

پچھلے اسباق اور واردات و کیفیات میں یہ بات آپ کے ادھر واضح ہو چکی ہے کہ انسان فی الواقع روشنی ہے۔ اس روشنی یا کبھی کہ سائنسدانوں نے ہیر (WAVE) کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام جذبات و احساسات اور زندگی کو قائم رکھنے والے تقاضے دراصل لہروں سے مرکب ہیں۔

ماہرین روحانیات نے ان لہروں کے دو رخ متعین کئے ہیں:

مرکب لہر اور مفسر دہر۔

مرکب لہر یعنی جسم کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ لہر ان ملامت کو تخلیق کرتی ہے جن کو عرف عام میں آگ، پانی، مٹی اور ہوا کہا جاتا ہے۔ یہ لہر آدمی کو قائم رکھتی ہے۔ (TIME SPACE) میں بند رکھتی ہے۔ اس حالت میں ہر چیز آزادی کے لئے پرودہ ہے، یہاں تک کہ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے باریک سے باریک کاغذ بچھا آجائے تو وہ پردہ بن جاتا ہے۔ اس لہر کی فطرت ہے کہ یہ ہر چیز کو پردے میں دیکھتی ہے۔

مثال: آدمی اپنے تحفظ کے لئے مکان بنا تا ہے۔ خود دیواریں کھڑی کرتا ہے اور دیواروں میں دروازے لگاتا ہے۔ دروازے بند کر کے کمرے کے اندر خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ عمل بجائے خود قید و بند کی حالت ہے۔ یعنی آدمی نے قید و بند کی زندگی کو محفوظ زندگی قرار دے دیا ہے۔ آدمی نے خود کو اپنی اختراع کی لہر

گفتگو میں صرف ایک مرتبہ رات کے وقت کی جائے اور جا رہی کی مشق معمول اسباق کی طرح صبح و شام کی جائے۔

ان مشقوں کے دوران یہ احتیاط ضروری ہے کہ دائرہ یعنی کی مشق ایسی جگہ کی جائے جہاں روشنی ہو اور یہ روشنی براہ راست بورڈ کے اوپر پڑتی رہے۔ اس پر گزرنے کیا جائے کہ ٹیبل ٹیپ میں بلب روشن کر کے خاص طور پر روشنی ڈالی جائے۔ اس کے برعکس جا رہی کی مشق حسب معمول اندھیرے میں کی جائے۔



چیزوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ طبیعت میں آسمانوں کے تقاضے بھی پابند صلاحیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس کے برعکس مفرد لہر پابند جو اس سے آزاد زندگی پسند کرتی ہے۔ اس لہر کی پہلی اسی حرکت سے ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے پرشے کو قابل توجہ نہیں سمجھتی۔ زمین کی پستی اور آسمان کی رفعت سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ یہ مفرد لہر زمین پر پہلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کا علم بھی رکھتی ہے۔ اور اسے سمادات میں فرشتوں سے حکم اور لاف کا اثر بھی حاصل ہے۔

ہم دو لہروں، دو درخشنیوں یا دو دائروں میں زندہ ہیں۔ جس دائرہ یا جس لہر کا غلبہ ہوتا ہے وہی کیفیات ہمارے اوپر وارد ہو جاتی ہیں۔

قدر و بندگی کا حالت یہ دو دائرے دو جنرل پٹر (GENERATOR) ہیں۔ تار برقی نظام کے تحت ان کے ساتھ بے شمار تار بند رہے ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہمارے پورے اعصابی نظام میں روشنی پہنچائی جاتی رہتی ہے۔

جنرل پٹر نظام کے مقام پر نصب ہے۔ یہ جنرل پٹر دراصل ایک قسم کا سب اسٹیشن ہے۔ اس سب اسٹیشن (SUB-STATION) کو جنرل پٹر منیجر یعنی مفرد لہر میں فیڈ (FEED) کرتی ہیں۔

ایک اور دو کے اصول پر جس طرح گفتی سیکھنے کے لئے حد و ایک سے واقفیت لازم ہے اسی طرح انتقال اندکار کے لئے جنرل پٹر منیجر ایک یعنی مرکب لہروں کے علم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اس کا سر لقیہ یہ ہے:

سائنس کی سمن داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نختے کو بند کر لیں اور بائیں نختے سے پانچ سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں ہاتھ چھٹیلے سے بند کر لیں اور پندرہ سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پندرہ سیکنڈ کے بعد سیدھے نختے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں نختے ہی سے پانچ سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نختے پر سے چھٹیلے ہاتھ کو دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں۔ سانس کو پندرہ سیکنڈ تک روک رکھیں۔ پھر بائیں نختے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق صبح سورج نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے۔ لیکن یہ عمل آدھی رات گزرنے کے بعد نہ کیا جائے۔

سانس لینے کی تعداد صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت پانچ چکر۔

سانس کی مشق کے بعد حسب دستور مراقبہ کیا جائے۔ مراقبہ میں یہ تصور کریں کہ نافرمانی جگہ ایک روشن نقطہ ہے۔ اس جگہ گزرنے والی روشنی نقطہ میں سے شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ ہمارا پورا ماحول، چاند، پندرہ، کوہ و دہن، مشرق و مغرب، شمال و جنوب، حیوان و انسان، زمین و آسمان سب میں یہ شعاعیں اور لہریں جذب ہو رہی ہیں۔ مراقبہ پندرہ منٹ تک کیا جائے۔

خصوصی تاکید شائقینِ شیطانی پستی کو ایک بار پھر تاکید کی جاتی ہے کہ کوئی صاحبِ بیچ میں سے کسی سبت سے شروعات نہ کریں۔ ضرورت سے کسی ماہر روحانیات کی نگرانی میں اس بات کو پورے گہرائی میں سمجھنا ضروری ہے کہ ہدایات پر حرف بچھڑا کر عمل کیا جائے۔



اپنا کوئی وجود ہے۔ اس کیفیت کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ درختوں کے اندر روشن نقطہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اور پھر درخت نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس درخت نے مجھے بتایا کہ میں فلاں نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور میرے آباؤ اجداد اس سرزمین پر کروڑوں سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ پھر مجھ نے دیکھا کہ پہاڑ کے اندر روشن نقطہ مجھ سے مخاطب ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میری پیدائش اور نشوونما یہی اسی طرح ہوئی ہے جس طرح زمین کی دوسری مخلوق کی پیدائش مٹی میں آئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میری نسل میں نام اسیس کی وہ صورت نہیں ہے جو دوسری مخلوق کے ساتھ ہے۔ میری نشوونما بہت دیر سے دیر سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی درخت پانچ سال میں جوان ہوتا ہے تو میری جوانی کا دور ہزاروں سال کے اوپر محیط ہوتا ہے۔ میں نے جب اس کی وجہ پافت کی تو پہاڑ نے مجھ سے کہا کہ میرے سانس کی رفتار عام حالات سے ہٹ کر ہے۔ میرے ایک سانس کا وقفہ پندرہ منٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری نشوونما میں اتنا زیادہ طویل عرصہ لگ جاتا ہے۔

لاہور

لغات کو سونے سے پہلے، آدمی ارات گزرنے کے بعد میں نے مجھے اسبق کی مشق کی۔ دیکھا کہ میں ایک شیشے کا بنا ہوا خول ہوں۔ اس شیشے میں چھ درخت قہقہے ہیں۔ ایک قہقہہ بہت زیادہ روشن ہے میرے جسم میں نافت کے مقام پر آویزاں ہے۔ اس قہقہے کے اندر جو باریک تاریں ان کی تعداد اتنی ہے کہ جو میرے اندازے کے مطابق شمار میں نہیں آسکتی۔ قہقہے کے اندر روشن تاریں کائنات میں موجود ہر مخلوق بتدی جا رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ قہقہہ کٹھن پتلی بنانے والے کا ہاتھ ہے۔ جب یہ تار ہٹتے

چھٹے سبق کے دوران تیر ہویں والی کینیا

ع۔ ص۔ کراچی

حسب دستور مراقبہ کیا۔ مراقبہ میں یہ تصور پوری طرح قائم ہو گیا کہ نافت کی جگہ ایک روشن نقطہ ہے جو ستارے کی طرح جگمگ کر رہا ہے۔ بجایک اس نقطہ میں حرکت ہوئی اور یہ ANTI-CLOCK-WISE گھومنے لگا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی بچہ پچھلے چائی کو گھماتا ہے یا گھومتی ہوئی آتش بازی جس کے اندر سے روشن پھول کڑتے ہیں۔ بس فرق یہ تھا کہ اس نقطہ میں سے بجائے اس کے کہ آتش بازی کی طرح پھول گریں شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ان شعاعوں نے جب زمین کا چکر لگایا تو یہ عرصہ کھلا کہ زمین کے اندر موجود ہر مخلوق میں ایسا ہی ایک روشن نقطہ ہے اور ہر روشن نقطہ کی شعاعیں تمام مخلوق کے روشن نقطوں میں ایک دوسرے سے رو بدلتی ہوئی ہیں۔ ذہن میں اتنی گہرائی پیدا ہو گئی کہ دوسری مخلوق کے روشن نقطہ کی شعاعیں نافت کی جگہ میرے اندر روشن نقطہ میں جذب ہونے لگیں۔ پھر یہ روشن نقطہ، اٹی وی کی طرح، ایک اسکرین بن گیا۔ اور اس میں موجودات کا عکس نمایاں ہونے لگا۔ پہلے مدہم مدہم، پھر ذرا روشن، پھر اور زیادہ روشن۔ انتہا یہ کہ میں نے اپنے اندر اس اسکرین پر زمین کے اوپر تمام مناظر قدرت کو تسلیم کی طرح دیکھا۔

میں اس پر کیفیت شاہدے میں اتنا محو ہو گیا کہ ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ میری جگی

ہیں تو طرح طرح کی مخلوقات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ یوں کی طرح ایک جانور کو دیکھ کر میرے اوپر ہیبت طاری ہوگئی۔ یہ جانور اتنا بڑا تھا کہ دور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پہاڑ ہے۔ اس کے بعد میں نے زمین پر بہت بڑے بڑے ہاتھی چلتے پھرتے دیکھے۔ جس طرح کوئی گرچھ کسی بڑی چھلی کو نکل جاتا ہے اسی طرح اس پر ہیبت جانور نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہاتھی کو نکلایا۔ یہ اتنا ڈراؤنا منظر تھا کہ میرے اوپر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور میں مراقبہ جاری نہ کر سکھا۔

ن۔ آخرت، سرگودھا

چھٹے سین کی مشق کرتے ہوئے ایک مہینہ دس دن ہو گئے ہیں۔ ابتدائی دس دنوں میں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ سر پہ انتہا بھاری رہا۔ زیادہ بوجھ سر کے بائیں طرف تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دماغ پھٹ جائے گا۔ جب تکلیف کا احساس بہت زیادہ بڑھ گیا تو میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق صبح شام، رات چھینی ملا کر پھولوں کا رس پینا شروع کر دیا۔ اس تکلیف وہ حالت میں بالکل غیر اختیاری طور پر میں ایک پارک میں چلا گیا۔ وہاں تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا غلام میں گور رہا تھا کہ دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا روشنی کا یہ جھماکا اتنا تیز تھا کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور کھلی آنکھوں سے یہ نظر آیا کہ انات کے مقام سے سورج کی طرح شعاعوں کا ایک دھارا بہہ نکلا ہے۔ اب ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ میں نے ان روشنیوں کو تالاب میں تیرتی ہوئی پھیلیوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ تالاب کی تمام پھیلیاں سطح آب پر جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کی تمام پھیلیاں اُڑپا گئیں۔ پھر میں نے یہ ارادہ کیا کہ آدھی پھیلیاں سطح آب پر تیرتی رہیں اور آدھی پھیلیاں پانی میں پبی جائیں۔ اس کی بھی تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد اپنے اندر سے نکلنے والی

ان بسروں کو میں نے گلاب کے سُرخ پھولوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ پھول کارنگ سفید ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھول کی سُرخ پنکھڑیاں سفید ہو گئیں۔ لیکن اس بات سے مجھے سخت صدمہ ہوا کہ پھول شاخ پر قائم نہ رہ سکا اور مڑھ گیا۔

ہدایت: ماورائی علوم سیکھنے والے تمام طلباء و طالبات کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس میں تخریب کا پہلو ہو۔ تہ آب سے سطح آب پر پھیلیوں کو لانے میں اور گلاب کے رنگ کی تبدیلی میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے۔ ماورائی علوم اس لئے سکھائے جاتے ہیں کہ انسان اپنی باطنی صلاحیتوں کو بیدار کر کے نوع انسانی اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو تیسری انداز میں تخلیق کیا ہے۔ اسی طرز فکر کو بیدار اور اجاگر کرنے کے لئے وہ اسباق بیان کئے گئے ہیں جو اس روحانیت سے ہم رشتہ ہیں جس کی تصدیق اللہ کی کتاب کرتی ہے اور جس کو حوام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔

تخریبی ذہن کے کسی بندے کو اس کتاب سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ تخریبی عمل سے خود اسے نقصان پہنچے گا۔



CLOCK-WISE گھوم رہا ہے۔ اس شق کے دوران اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی طالب علم دماغ کو گھماتا ہے تو جسم بھی ہلنے لگتا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سر نہ ہلے۔ پندرہ منٹ صبح اور پندرہ منٹ رات، دماغ کو گردش دینے کی یہ مشق جاری رکھی جائے۔

اس مشق کے ساتھ ساتھ کسی ایسے آدمی کا انتخاب کریں جو پاکیزہ ذہن ہو اور آپ سے انسیت رکھتا ہو۔ ایک بڑی مینر کے اوپر کڑی کا ایک اونچا تختہ اس طرح فٹ کر لیں کہ آٹھ سانسوں دو بیٹھے ہوئے آدمی نظر نہ آئیں۔ دیار کی کڑی کے پاس عدد گنگے (جیسا لوڈو کا پانسہ ہوتا ہے) بنوائیں۔ گنگے کو نیلے رنگ سے چنٹ کر وائیں اور ہر گنگے کے چھ پہلوؤں پر سفید رنگ سے ہندسے لکھوائیں۔ پانسہ کے ہر پہلو پر ایک کا ہندسہ لکھوائیں یعنی ایک پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ ایک کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ دوسرے پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ دو کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ تیسرے پانسہ کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ تین کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ اس طرح پچاس پانسے لکھوائے جائیں۔

مینر کے دونوں طرف دو اسٹول ڈال دیں اور دونوں آدمی بیٹھ جائیں۔ پچیس پانسے ایک صاحب کے پاس رہیں گے اور پچیس پانسے دوسرے صاحب کے پاس رہیں گے۔ دونوں صاحبان ایک کا ہاں اور شپل بھی اپنے پاس رکھیں۔

دونوں میں سے ایک صاحب اپنے ذہن میں یہ بات سرہیں کر سائے بیٹھا ہوا آدمی نمبر ایک کا پانسہ چھینے اور نمبر ایک کا ہندسہ کاپی پر لکھ لیں۔ جب پانسہ چھینا جائے تو اس کا نمبر بھی کاپی پر اتار لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہندسہ جو آپ نے سوچا ہے کاپی پر لکھ لیا جائے اور وہ ہندسہ جو چھینا گیا ہے اس کا نمبر بھی نوٹ کر لیا جائے۔

سائوآل سبق

سانس کی شق

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نتھے کو بند کر لیں اور بائیں نتھے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں نتھا چھینکیا سے بند کر لیں اور تیسری سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ تیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نتھے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔

اب دوبارہ دائیں نتھے ہی سے دس سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نتھے پر سے چھینکیا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نتھا بند کر لیں۔ سانس کو تیسری سیکنڈ تک روک لیں۔ پھر بائیں نتھے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں یہ ایک چکر ہو گا۔

اوقات شق صبح سورج نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے لیکن یہ

عمل آدمی رات سے پہلے پہلے کر لیا جائے۔
سانس لینے کی تعداد صبح کے وقت پانچ چکر، رات کے وقت دس چکر۔

مراتبہ میں بیٹھ جائیں۔ آنکھوں کے اوپر دائیں دلا سیوا رنگ پکڑ لیں اور سرخ بانڈھ لیں کہ آنکھوں کے پوٹوں پر ہلکا سا دباؤ پڑتا رہے۔ رومال کی بندش سے تازہ ہوا نہ ہو کہ آنکھیں دکنے لگیں۔ رومال بانڈھنے سے مقصد یہ ہے کہ پوٹوں پر اتنا لطیف دباؤ رہے کہ پوٹے حرکت نہ کر سکیں۔ اب یہ تصور کریں کہ اٹھ طرف کا دماغ ANTI

سلی سبھی کے ذریعے تصرف کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہر تخلیق دو رُخ پر قائم ہے۔ ایک رُخ غالب رہتا ہے اور دوسرا مغلوب۔

مثال: آدمی دو رُخ سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔
مذکر رُخ اگر غالب ہے تو مؤنث رُخ چھپا رہتا ہے۔ مؤنث رُخ اگر غالب ہے تو مذکر رُخ چھپا ہوا ہے۔ اس بات کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ مرد دو رُخوں سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک رُخ غالب ہو جاتا ہے تو اسی غالب رُخ کی بنیاد پر جنس کا تعین کیا جاتا ہے۔ جیگرشش کے قانون میں بھی یہی فارمولا متحرک ہے۔ بویہ رہا ہے کہ عورت کے اندر مغلوب رُخ، مرد، چون کہ خود کو نامکمل سمجھتا ہے اس لئے وہ غالب رُخ مرد سے متصل ہو کر اپنی کمی پوری کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر مغلوب رُخ عورت ہے۔ کیوں کہ بیخود رُخ اپنی تکمیل چاہتا ہے، اس لئے وہ غالب رُخ عورت کے اندر جذب ہو جانا چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تخلیق کا یہ فارمولا دوسرے عوامل میں بھی سرگرم عمل ہے۔ ایک آدمی بیمار ہے اور ایک آدمی صحت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیمار آدمی کے اندر بیماری کا رُخ غالب ہے۔ وہ صحت مند رُخ سے ہم رشتہ ہو کر صحت مند ہونا چاہتا ہے۔ صحت مند آدمی کے اندر غالب رُخ صحت ہے اور بیماری اس کا دوسرا رُخ ہے۔

جب دونوں طرف سے کھینچیں کھینچیں پالسنوں کا تباہ اور پورا ہو جائے تو دونوں مساجد ان یہ دیکھیں کہ ذہن نے کس حد تک رہنمائی کی یعنی کتنے پائے آپ کی سوچ کے مطابق ڈالے گئے۔ اس شش کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک پچھرتی صد کامیابی ہو۔ کامیابی سے مراد یہ ہے کہ جو ہند سے آپ کے ذہن میں آئیں، ذریعہ ثباتی وہی ہند سے نکلنے کے اس پار پھینکیں۔

یہ مشق زحمت کے اوقات متعین کر کے جو سب گھنٹے میں ہندہ ہندہ منٹ و وقت کیا جائے۔



نماز کے دو میں کوئی تہارت
تاریخ ہے جسے نیک
قاری سلطان دربار سے فرمایا ہے
خداوند عالم کی کار میں نہ خالی اسلوا اسلوا اسلوا
سایہ ہوا تانوں تک نہ لائی نماز اور کیے طریقے
پائے گئے ہیں۔ قیام اگرچہ ہوا اور نماز و عبادت میں اور
سایہ حکمت معلوم

نماز

کر کے اور حضور علیہ السلام کے پتہ نہ بنے طریقے پڑ
نماز اور کہیں اور نونیاں ساری متیں مائل کریں۔

کتابت و قلمانی قلمی
کتابت و قلمانی قلمی

بیماری جو مغلوب رُخ ہے اس کے اندر بھی یہ تقاضہ موجود ہے کہ اس کی تکمیل ہو اور جب بیماری رُخ صحت کے اوپر غلبہ حاصل کرتی ہے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی خوش حال ہے۔ اس سے برعکس دوسرا آدمی پریشان اور مغموک اناں ہے۔ تخلیقی قانون کے تحت حالات بھی دو رُخ پختہ ہیں۔ ایک رُخ کا نام سکون ہے اور دوسرے رُخ کا نام اضطراب اور پریشانی ہے۔ حالات کا وہ رُخ جو اضطراب اور پریشانی ہے اگر سکون حالات پر غالب آجائے تو حالات خراب ہو جاتے ہیں لیکن آدمی صحیح نظر نہ کرے اور اپنی روحانی طاقت کے ساتھ خراب حالات کو مغلوب کرے تو حالات اچھے ہو جاتے ہیں اور آدمی کی زندگی میں سکون کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔

قانون کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ دائرہ (CIRCLE) یا مثلث (TRIANGLE) میں قید ہے۔ دنیا کی کوئی چیز، زمین میں یا آسمان پر ایسی موجود نہیں ہے جو سرکل یا ٹرائی انگل سے مستثنیٰ قرار دی جاسکے۔ کسی مخلوق میں سرکل غالب ہوتا ہے اور کسی مخلوق کے اوپر مثلث غالب ہوتا ہے۔ ہماری دنیا میں جس کو عالمِ ناسوت کا نام دیا جاتا ہے، موجودات پر مثلث غالب ہے۔

پچھلے اسباق میں ہم یہ بات پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ زمین پر موجود ہر شے زندہ ہے، متحرک ہے، سانس لیتی ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ ہم شعوری طور پر اسے زندہ نہ سمجھیں یا بخود خیال کریں جیسے پہاڑ۔

قانون قدرت اور تخلیقی قانونوں کے مطابق پہاڑ بھی باشعور ہوتے ہیں، پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں، پہاڑ بھی پیدا ہوتے ہیں اور جو ان ہوتے ہیں۔ چوں کہ تخلیقی قانونوں میں پہاڑ کی تخلیق اور نشوونما کا فارمولہ الگ ہے، اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ

جیسے ہوتے کوڑے ہیں۔ ایک انسان ایک منٹ میں بیٹھ سانس لیتا ہے۔ پہاڑ کی پوزیشن اس سے مختلف ہے۔ پہاڑ کے سانس کی رفتار یہ ہے کہ پہاڑ کا ایک سانس زمین کی زندگی میں پندرہ منٹ کا ہوتا ہے یعنی ایک آدمی ایک منٹ میں سانس لیتا ہے اور پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتا ہے۔ ہر نوع میں سانس کی تین مقداریں الگ الگ ہیں۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے ایک شکل و صورت رکھتی ہے۔ انسان بھی خوش ہوتا ہے کبھی رنجیدہ۔ کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی صحت مند۔ باطنی نگاہ سے شہادہ کیا جائے تو خوشی اور رنج دونوں مشکل اور مجتہم ہیں۔ اسی طرح ہر بیماری کی بھی الگ الگ شش ہوتی ہے شہادہ کیا گیا ایک شکل و صورت ہوتی ہے۔ مولیٰ جھوٹا اپنی ایک شکل رکھتا ہے اور کینسر (CANCER) کے بغاوت و حال ہوتے ہیں۔ اس کا قانون کتاب رنگ اور روشنی سے علانہ طور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے ذہنی رابطہ قائم کر کے اپنا پیغام بھیج سکتا ہے اسی طرح پیلریوٹا سے بھی ذہنی رابطہ قائم کر کے پیغام بھیج سکتا ہے کہ وہ زمین آزاد کروں۔ یہ سب بیماریاں اس پیغام کو قبول کرتی ہیں اور زمین کی جان بخشی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے سر میں درد ہے۔ آپ اپنی پوری توجہ کے ساتھ سر میں درد کی بیماری کی صورت کو دیکھیں۔ دردور تیر ہوتی ہیں۔ یا تو سردی کی شکل و صورت سامنے آجاتی ہے یا اس کا ایک ہیولا سامنے آجاتا ہے۔ آپ سردی کو دیکھیں دیکھیں کہ وہ بھاگ جائے۔ سردی غالب ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا تقیاس آپ اس قانون کے مطابق ہر بیماری کا علاج کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بیماری اختیار نہ ہو۔

جی ہاں! بیماریاں بھی بااختیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑے اختیارات

اسٹھواں سبق

سانس کی مشق | دہانے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نٹھنے کو بند کر لیں اور بائیں نٹھنے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں نٹھنا چھٹیکھا سے بند کر لیں اور پینتالیس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پینتالیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نٹھنے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔

اب دوبارہ دائیں نٹھنے ہی سے دس سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نٹھنے پر سے چھٹیکھا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نٹھنا بند کر لیں۔ سانس کو پینتالیس سیکنڈ تک روک کے رکھیں۔ پھر بائیں نٹھنے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق | صبح سویرا نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے حسب دستور مشق بھی دھی رات گزرنے سے پہلے کی جائے۔

سانس لینے کی تعداد | صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت دس چکر۔

حسب معمول اسکولوں پر پڑھا باندھ کر ٹیچ جا لیں۔ اور یہ تصور رکھیں کہ دل کے مقام پر ایک روشن نقطہ ہے جب نقطہ کے اوپر ذہن مرکوز ہو جائے تو اس نقطہ کو واضح کی طرح گھمائیں۔ یہ مشق میں منٹ صبح اور میں منٹ رات کو کی جائے گی۔ مشق کی تکمیل کے بعد اپنے کسی ایسے دوست کا انتخاب کیجئے جو آپ کی طرح ٹیچا سنتی

کی حامل بیماری کینسر (CANCER) ہے۔
ٹیچا سنتی کے کئی علاج

میں برقی رومن جن حصوں سے بنا کر نکل جاتا ہے ان حصوں میں جان نہیں رہتا اور ساتھ ہی ساتھ ان ہی حصوں میں بہت باریک گول کپڑے بن جاتے ہیں۔ یہ کپڑے اور اسل سوراج ہوتا ہے۔ اس سوراج کی خوراک برقی روم ہوتی ہے۔ وہ برقی روم جو زندگی کے معرفت میں آتی چاہئے تھی وہ ان سوراجوں کی خوراک بن جاتی ہے۔ تیسری خوراک کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بجائے فائدے کے خون کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جس کا اور پر بیان کیا گیا کینسر ایک ایسا مرض ہے جو با اختیار ہے، منتا ہے، ہوا رکھتا ہے۔ اگر ٹیچا سنتی کے طریقے کے مطابق کینسر سے ذہنی رابطہ قائم کیا جائے اور تنہائی میں بشرطیکہ مریض سوتا ہو، نہایت دوستانہ اور خوشامداند انداز میں اس طرح سخنیں دی جائے کہ بھائی تم بہت اچھے ہو، بہت مہربان ہو، یہ اودی بہت پریشان ہے، اس کو معاف کر دو اگر کینسر دوستانہ جذبات کا قدر کرتے ہوئے مریض کو چھوڑ دیتا ہے۔



دماغ ایک درخت

سوالی بریکایہ صحیح ہے کہ ماورائی علوم سے کتنے والے افراد میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی عمر کم ہے یا وہ نوجوان عورتیں ہیں جن کا شعور ابھی بچپن کے دور سے باہر نہیں آیا۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ لوگ اور وہ حضرات جو دانشور کہلاتے ہیں یا فلسفہ اور منطق کے خشک میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ حضرات جن کی طبیعت میں خشکی، بیہوشی اور انتہا پسندی ہے ماورائی علوم حاصل نہیں کر سکتے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفائی میں دماغ ایک ایسی زرخیز زمین ہے جس میں قسم قسم کے درخت اُگتے ہیں۔ درخت چھوٹا ہو یا بڑا ہر حال درخت ہے۔ دماغ کی سرزمین پر جو درخت اُگتے ہیں انہیں مختلف علوم کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ علوم اتنے ہیں کہ کسی طسرح ان کا شمار ممکن نہیں۔ ان علوم میں ماورائی علوم کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے۔ ماورائی علوم روحانیت کے نام سے معلوم کئے جاتے ہیں۔

کسی درخت کی ہری بھری شاخ کو مفید مطلب، اغرائی و مقاصد میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس سوکھی شاخ سے (سوکھی شاخ سے سڑا گھن کر) ہوائی کڑی ہے، ہم کوئی چیز نہیں بنا سکتے، انتہا یہ کہ وہ جلانے کے بھی کام نہیں آتی۔ کم عمر بچے اور نوجوان عورتیں ہری بھری شاخ کی مانند ہیں جب کہ عمر رسیدہ لوگ خشک کڑھی کی طسرح ہیں۔ ماہرین نفسیات اور ماورائی علوم کھانے والے اساتذہ اپنے

سیکھنے میں دل چسپی رکھنا ہر ماہر نفس پوری کر چکا ہو تاصلے کا کوئی تئیں نہیں۔ آپ کا یہ دوست لندن یا امریکہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ لندن یا امریکہ میں رہنے والے بلی بیٹی کے منتہی کے لئے کوئی میڈیم دوست پاکستان یا بھارت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور دو دوست ایک گھر کے دو کمروں میں بٹھا بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک شہر کے شمال و جنوب میں بیٹھ کر بھی اس مشق کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ ایک وقت مقرر کر کے، گھر ٹی دیکھ کر صبح وقت پر دونوں دوست آنکھیں بند کر کے یا کئی آنکھوں بیٹھ جائیں اور اپنے میڈیم کو کوئی پیغام دیں۔ اس متعین وقت میں میڈیم کے ذہن میں جو بات آئے وہ لکھ لی جائے۔ اسی طرح جو پیغام دیا جا رہا ہے اسے بھی دائری میں نوٹ کر لیں۔ روز بھر تو روز درتہ ہفتہ دہر یا تین روزہ رپورٹ پر غور کریں اور اپنی اپنی دائریوں میں دیکھیں کہ کیا پیغام دیا گیا تھا اور ذہن نے کیا قبول کیا ہے۔ پچاس فی صد کا ایسا بل کے بعد اس مشق کو عام حالات میں جاری رکھیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی آدمی بیمار ہے اس کو بدقت بنا کر یہ پیغام (SUGGESTION) دیں کہ تم صحت مند ہو وغیرہ وغیرہ۔



شہادت و تجربات کی روشنی میں اس کی بنیاد کا دوجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ روحانیت
سیکھنے کے لئے نرم طبیعت، گداز دل اور آزاد ذہن ہونا ضروری ہے۔ جیسے جیسے
عمر بڑھتا ہے آدمی اپنے مخصوص نظریات کے خول میں بند ہو کر تنگ نظر اور تنگ دل
ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنے ان نظریات کو زندگی قرار دے دیتا ہے جب کہ روحانیت
اس بات سے واقف ہی نہیں ہے۔ اور یہ بات ہمارے سامنے کی ہے کہ کوئی شاگرد
استاد سے اس وقت تک آکتاب فیض نہیں کر سکتا جب تک استاد کا کہنا اس کے لئے
حرف آخر نہ ہو۔ اس کی مثال ہم پچھلے صفحات میں دے چکے ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہے
کہ ایک بچہ اگر الف کو حرف آخر سمجھ کر الف نہ کہے تو وہ علم سے محروم رہ جائے گا۔

نوجوان طلبہ اور معصوم اور پاکیزہ فطرت خواتین اس لئے جلد کا یہ سبب بنتی
ہیں کہ ان کے ذہن میں چون و چسپرا نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ اور پختہ
لوگ کسی روحانی استاد کی شاگردی اختیار کرنے کے باوجود اپنی پختہ طبیعت پر تلے اور
مخصوص نظریات کی روشنی میں استاد کی وہی ہوئی ہدایات کا تجزیہ کرتے ہیں اور ان
علوم کو جن کو سیکھنے کے لئے ان کی حیثیت بالکل ایسے ہے کیسی ہے جو الف ،
ب ، ت نہیں جانتے استاد کی ہدایات کو منطق اور فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی
کوشش کرتے ہیں۔

یہی وہ ناقص طرز عمل ہے جس کی وجہ سے راستہ کھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ
اس حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں :-
”جہاں علم فلسفہ اور منطق کی حدود ختم ہوتی ہیں، اس سے آگے روحانیت
اور مادرائی علوم کی حدیں شروع ہوتی ہیں“

مادرائی علوم سیکھنے والے ہر طالب علم کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے
کہ مخصوص نظریات کی حد بندیوں کا نتیجہ، انہما پسندی اور خود کو کسی ایک دو یا زیادہ علوم
میں کیت سمجھنا ناقص طرز فکر ہے اور ناقص طرز فکر انسان کو ایک سوئی اور آزاد ذہن ہونے سے
محروم کر دیتی ہے۔ اور جب کوئی بندہ اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے دل و
دماغ پر شک اور دوسرے آکاش بیل بن کر پھیل جاتے ہیں اور ان کے اندر فطری صلاحیتوں
کے پختہ ہونے دیرا کر چوس کر خشک کر دیتے ہیں۔ یہی وہ المناک صورت ہے جس کے
بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورہ بقرہ آیت ۷)

مہر کی اللہ نے ان کے دلوں کے اوپر اور ان کے کانوں کے اوپر اور ان کی آنکھوں کے اوپر پھینکا
اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔



آکتاب تمیز اور معیار میں کا علاج نہیں کر سکتا ہے۔
اس علاج میں عرض نہیں ہے صرف حلال کے ذریعہ
پیدا ہونے سے ہی بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔
تیزوں پر تیزوں اور حلالیت کے کام میں لگانے کے
میں ہی سے ہی تیزوں اور صواب و کام سے نجات
پا جاتا ہے۔

روحانی انسان

سوال۔ شبلی نعمتی کے سلسلے میں آپ نے اب تک جو تھیوری پیش کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ یہ علم مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ ماورائی علوم کے شائقین کو کیا آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ماورائی علوم صرف مسلمانوں کا پیشہ ہیں اور وہی اس علم میں کمال کر سکتے ہیں؟

جواب۔ جو بندہ فی الواقع روحانیت کے علوم پر کسی ذمہ داری تک نہیں رکھتا ہے اس کی لیسرین فکر کا حد تک مادے سے دور ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں کو ذرا نیت سے ہم آغوش دیکھتا ہے۔ اس کے یقین میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ صلاحیت کا تمام تر دار و مدار روح سے ہے۔ اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ تمام نوع انسانی روحانی صلاحیتوں سے مالا مال ہے اور ہر انسان اپنے اندر جو وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نوع انسانی کے دائرے سے نکل کر جب وہ زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نورانیت اور روشنیوں سے معمور ہے۔ اس کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ اگر کسی مقام پر کسی مکان میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو اس دردناک واقعہ کی ہسٹری زمین کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرح کسی انسان کے داغ ہر کسی واقعہ کے نقش و نگار محفوظ ہو جاتے ہیں اور داغ جیسا کہ انسان کے داغ ہر کسی واقعہ کے نقش و نگار محفوظ ہو جاتے ہیں اور

اس دردناک واقعہ کی ہسٹری زمین کے اندر سے برابر باہر آتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات کسی ایک خط پر مسلسل حادثات رونما ہونے سے TRAGEDY اور اسٹاکس اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ درو دیوار سے ہیبت، اندر دگی اور خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے واقعات مسلسل رونما ہونے سے جب اس مخصوص خطہ زمین کے اوپر درو دیوار متاثر ہو جاتے ہیں تو لوگ اس مکان کو آسیب زدہ کہنے لگتے ہیں۔ یہ آسیب کیا ہے؟ ماضی کے دردناک واقعہ کی فلم ہے جو حساس انسانوں کو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی روحانی انسان کسی علم کو کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ روحانیت پوری نوع انسان کا ورثہ ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان اپنے مقدس اسلاف کے بیش قیمت ورثہ سے تقریباً محروم اور بے پرواہ ہو چکے ہیں جب کہ غیر مسلم اقوام مسلسل جستجو کے ذریعے ماورائی علوم کی حقیقت پانے کے لئے ات دن کوٹاں ہیں۔ انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اس کی ایک مثال روس کے سائنس دانوں کے وہ تجربات ہیں جن کے ذریعے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ماورائی علوم میں ایک شعبہ TELEPATHY ایک مائیکرو حقیقت ہے دیگر ممالک کے ماہرین نفسیات و پیرسائیکالوجی ریسول کی اس کامیابی سے پریشان ہیں کیونکہ وہ یہ بات سمجھ چکے ہیں کہ اگر کوئی قوم روحانی طریقہ پر سماجی کارکردگی کو سمجھ کر تخریب پر آمادہ ہو جائے تو ساری نوع انسانی اس قوم کی غلامی پر مجبور ہو جائے گی اور تمام دنیا کے وسائل اس قوم کے تصرف میں آجائیں گے۔

روحانیت اور استدراج

سوال: شیطان کی پیروی کی مشقوں کے دوران جن لوگوں کے اوپر واردات و کیفیات مرتب ہوئی ہیں انہوں نے زیادہ تر ایسے حالات قلم بند کئے ہیں جن میں ان کی نیک ارواح سے ملاقات ہوئی اور مقامات مقدسہ کی انہوں نے زیارت کی۔ یہ بھی ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے ماورائی مخلوق سے گفتگو کی۔ کسی صاحبِ مشق نے یہ نہیں لکھا کہ اس کی ملاقات ذریتِ ملیس سے ہوئی ہے جب کہ ماورائی مخلوق میں بدروسیں اور ذریتِ ملیس بھی شامل ہیں۔ براہِ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: تمام علوم ستری، جن میں شیطان یا تنفال جہال کا علم بھی شامل ہے، کو سمجھنے، سیکھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کی دو طرز ہیں۔ ایک رحمانی طرز ہے اور دوسری کا نام استدراج رکھا گیا ہے۔

کتبہ یہ ہے کہ اگر علم کی معنوی حیثیت تعمیر ہے تو وہ حقا ہے اور اگر علم کی معنوی حیثیت تخریب ہے تو وہ شیطنت ہے۔ حق اور شیطنت دونوں کا تعلق طرزِ فکر سے ہے۔ رحمانی اور شیطانی دونوں گروہوں کی طرزِ فکر اور کلہ طرزِ فکر جدا ہیں۔ کلہ طرزِ فکر کو تخریب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

استدراجی طرز سے دائرہ لوگوں کے کلہ طرزِ فکر 'دیواہ' کالی داہ' ہیں۔ یہ الفاظ سیدنا ابراہیم سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اہل حق کا کلہ طرزِ فکر

وہ لفظ اللہ اور الا اللہ کے ہم معنی تھا۔ حضرت نوح کے بعد تنجاہ اور تنجاہ معنی پرست لوگوں کا کلہ طرزِ فکر ہو گیا۔ 'دیواہ' اور کالی داہ' منسوخ کر دیا گیا۔ مگر کچھ لوگوں نے اس منسوخی کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اپنی تخریبی طرزِ فکر کے لئے ہی کو کلہ طرزِ فکر بنا لیا۔ اور ان لوگوں کے انکار کا دعوے سے استدراج کا کلہ طرزِ فکر بن گیا۔ پھر حضرت ابراہیم سے کئی صدیاں پہلے اللہ اور الا اللہ کو کلہ معنی قرار دیا گیا۔ تنجاہ اور تنجاہ 'منسوخ قرار دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک حق پرست لوگوں کا کلہ طرزِ فکر اللہ اور الا اللہ ہے اور قیامت تک ہر قرار رہے گا۔ اس کے عکس ذریتِ ملیس اور شیطنت نے پروکاروں نے ابھی تک 'دیواہ' اور کالی داہ' کو اپنا کلہ طرزِ فکر بنا لیا ہے۔

علم اور اس کی طرزوں کی تشریح قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے واقعہ میں کی گئی ہے جب حضرت موسیٰ کو حق کا نمائندہ بنا کر فرعون کی طرف سے بھیجا گیا تو فرعون نے پیغمبر خدا کے معجزات کو استدراجی علوم پر قیاس کیا۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ کو جادوگر قرار دے کر اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر لیا تاکہ وہ حضرت موسیٰ سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کر لیں۔

مقابلے کے دن، میدان میں ایک طرف اللہ کے پیغمبر، حق کے نمائندہ، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون تھے اور دوسری طرف۔ بیتِ ملیس، استدراج کے نمائندے، جادوگروں۔

جادوگروں نے اپنی رستبالی، بان اور لایٹھان پینکس بوس بوس، درازدہوں کی صورت اختیار کر لیں۔ اس کے منہ سے بیوں وں لہجہ کے مطابق حضرت موسیٰ نے ہناصحا

زمین پر پھینکا اور وہ اتر دبا بن کر، تمام طلسمی ساپنوں اور اڑوہوں کو نکل گیا۔

تو طالبِ نکتہ یہ ہے کہ جاوید گراہی رسیاں کھینکتے ہیں تو وہ ساپنوں اور اڑوہوں کی شکل میں اتر کر مٹی ہیں اور حضرت موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ بھی اتر دبا بن جاتا ہے یہاں تک تو جاوید گراہوں کے فن اور حضرت موسیٰ کے مجاہدے میں کوئی منسوق نظر نہیں آتا لیکن ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ موسیٰ کا سبزہ جاوید گراہوں کے فن پر غالب آجاتا ہے جاوید گراہوں اور حضرت موسیٰ کا یہ مقابلہ استدرابجا اور رحمانی علوم کے درمیان فرق کی ایک واضح کشمکش ہے۔ اس واقعے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ جاوید گراہیت دنیا میں اپنے علم سے فرعون کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اس کے عکس، حضرت موسیٰ کا منسک مخلوق خدا کی خدمت اور رضائے الہی کا حصول ہے۔ ان کو جو علوم ملے ہیں وہ اللہ کے عرفان تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ اس کلمہ طریق اور طرز فکر کے تحت ہے جو انبیاء اور اولیاء اللہ کی طرز فکر ہے کیوں کہ واردات و کیفیات سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے طالبِ علم کے ذہن میں تعمیری طرز فکر کا پیٹرن (PATTERN) بن گیا ہے اس لئے جو کچھ واردات و کیفیات میں سامنے آیا وہ اس پیٹرن کے مطابق ہے۔ یہی تعلیم اگر کوئی شخص ذہنیت الیس کے کلہ طریق کے مطابق حاصل کرے تو یہ سب علم روحانیت کی بجائے علم استدراب بن جاتا ہے۔ تمام نجیبوں، حضرت ابراہیم سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ جیسے حضور علیہ السلام و انسلام تک سب کی تعلیمات یہ رہی ہیں کہ انسان اس تدریجی قوتوں سے محفوز ہے اور رحمانی قوتوں سے متعارف ہو کر اپنا عرفان حاصل کرے، اس لئے کہ رحمانی قوت اور طرز فکر میں تعمیر ہے۔ اس کے عکس مغرب، توڑ سمجھوڑ، سفالی اور دنیا کی اور نوبت انسانی و تخلیف بنیانی نے کا نام استدراب ہے۔

قرآنی آیات سے علاج کی منہ کشاوت

مختصر فہرست

احسانت اور توحید کی زکوٰۃ، ابراہیمؑ میں (صفا و احسان)
 آسیب کا علاج، پیمیش، پائیسریا
 آفات و بیماریاں، شاز کی کمزوری

روحانی علاج

بیماریاں، تباہی کی ذلت
 امدادِ غیبی، تسمیہ کیلئے
 استخوان، خواجہ شمس الدین عظیمی
 میں کامیابی، خواجہ شمس الدین عظیمی
 مختلف و قلب، اجڑیا
 اعصاب کی کمزوری، چہرے کی کشش پیدا کرنا
 اور لاکھ آفرین ہونا، جسا ڈوکا ٹوڈ
 اس میں کمزوری، جس ریاضت (دیس)
 بھکار، خسرہ، مسب و مخرام شادی
 اہم اہم قبایح (دوسکا)، دماغی قوتوں کی کفری
 بہترین شیب کرنا، دور، داد، ذہنی بلین
 ننگ جانا، شہرہ اور بوزکے کمالات
 بچوں کا گم ہو جانا، عورتوں کے جھومر
 خاٹ اور تھوہ، خاٹ اور تھوہ
 مانتہ کسٹور ہونا، ست میں احسان
 بڑھتی ہوئی شہرہ کی تھوہ، بڑھتی ہوئی شہرہ کی تھوہ
 بیماری کے بعد کمزوری، کسٹور یا سلطان اور تھوہ
 بدگمانی کی وجہ سے پریشانی، ۱۳۰ سالگی کے سن

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ
 پوسٹ بکس ۲۲۱۳ کچی ۱۸

روحانی ڈائجسٹ

پوسٹ بکس ۲۲۱۳، کچی ۱۸

آئیے کا اور آپ کے بچوں کا ہمسالہ
 اس رسالہ میں حضرت حاجی امجد اللہ شاہ مہاجر گنا
 مولانا فضل الرحمن صاحب مراد آبادی، حضرت حاجی
 وارث علی شاہ، حضرت بابا تاج الدین ناگپوری
 ابدال حق قلت در باب اولیاء اور دوسرے
 اولیائے کرام کے حقیقی علوم ہر ماہ پیش کئے
 جاتے ہیں۔
 انبیاء علیہم السلام کے قصص، ایسے مسائل کا
 روحانی اور نفسیاتی تھل، لا علاج بیماریوں کا
 علاج اور روحانی بیماریاں پیش کی جاتی ہیں۔

خواب کی تسمیر کے ذریعے آپ کے
 مستقبل کی نشاندہی کی جاتی ہے

دین و دنیا کی تسمیر
 سینے کیلئے یہ رسالہ دنیا میں
 چرچہ و مباحثہ ہے

قریبی ہمسالہ
 سے طلب کریں

اور

تذکرہ قلندر بابا اولیاء

کے بعد
خواجه شمس الدین عظیمی کی تصانیف

جنت کی سیر

شائع ہوئی ہے

اس کتاب میں مسک کی تعلیمات کے دوران پیش آنے والی واردات و کیفیات کو سادہ اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے

چند منتخب عنوانات

اشرفی کی آواز دورخ کاشیہ زمین کوشائی حیثیت	آدیاراشد کی نماز سماں میں کناریت نیکائی کا سفر جنت	مہر جنت روایت میں سزا کا ماحول گناہ کا سفر جنت	زشتوں سے بھلائی غلامی پہلا قدم جنت کی سیر جیسے
--	--	--	--

اپنے قریبی بکسٹال سے اجازت حاصل کریں۔
ہر بابہ روپے

مکتبہ روحانی وادجنت

1-R-13 ناطق آباد، پوسٹ بکس 1111 کراچی

Handwritten notes in Urdu, including the name 'Abul Hasan Ali Nadwi' and other illegible text.